تعلیم و تربیت

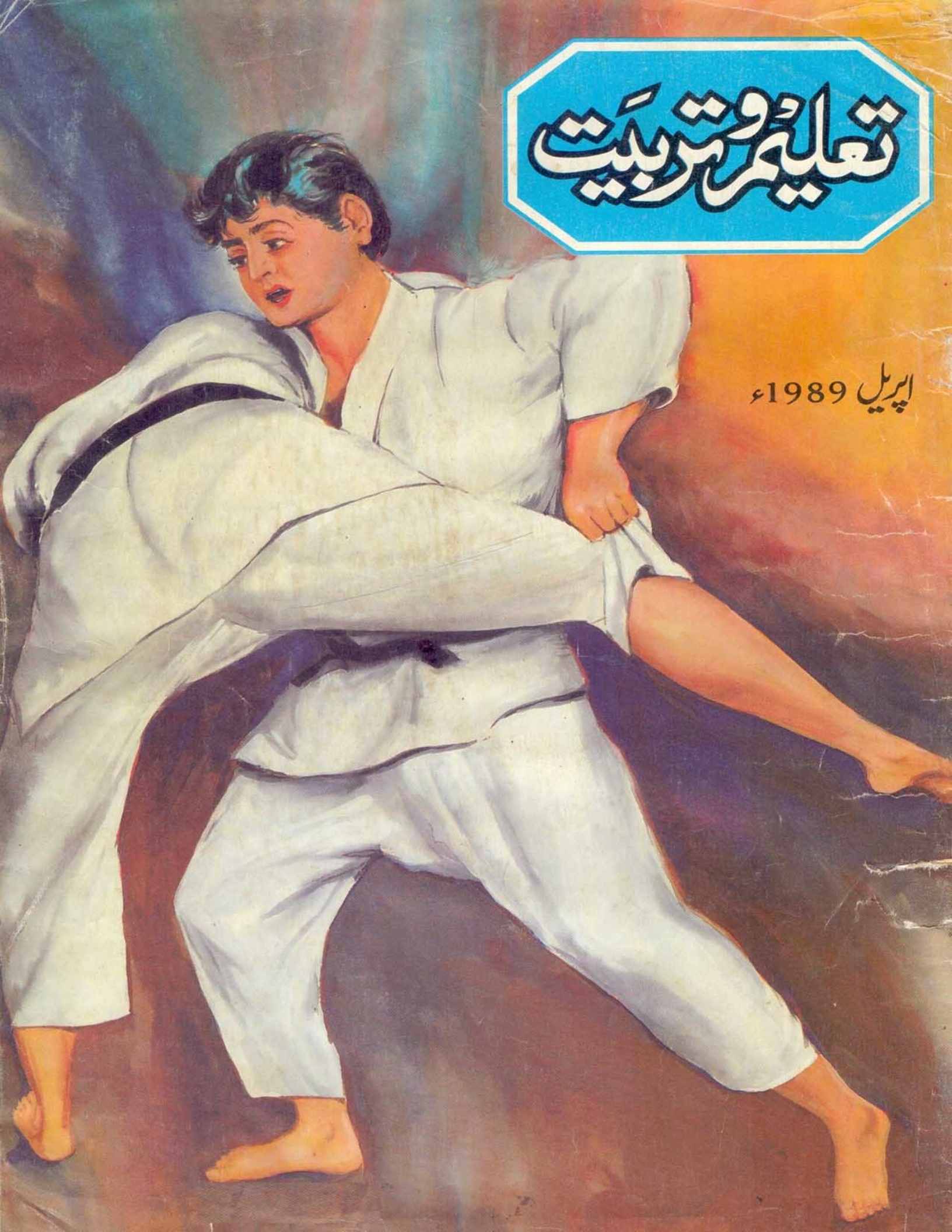

اپریل 1989ء

FS COMICS

محمدؐ بن قاسم

ایک عظیم سپہ سالار

صرف بائیس برس کی مختصر سی زندگی میں اُس نے وہ وہ حیرت انگیز کارنامے سرانجام دیئے جو اب افسانہ معلوم ہوتے ہیں۔ بچپن ہی میں والد کا سایہ سر سے اُٹھ گیا۔ عراق کا مشہور گورنر حجاج بن یوسف اُس کا چچا تھا۔ اس نے فنونِ سپہ گری میں قاسم کو طاق کر دیا۔

اور پھر اُس مردِ غازی نے کیا کیا کیا؟ اُس کی جھلکیاں آپ اِس عظیم تاریخی کامک میں جا بجا دیکھیں گے۔ سکندرِ اعظم، نپولین، رومیل اور آئزن ہاور بھی شہرۂ آفاق جرنیل ہُوئے ہیں، مگر جرأت و اخلاق اور فہم و فراست میں وہ سب اس کم عُمر مردِ غازی کے سامنے ہیچ ہیں۔

تلوار کی جھنکار اور انسانی اصلاح کی اس ہلچل داستان کو ہم نے رنگین تصویروں سے یُوں سجا دیا ہے کہ بار بار لُطف اندوز ہونے کو بے ساختہ جی چاہتا ہے۔

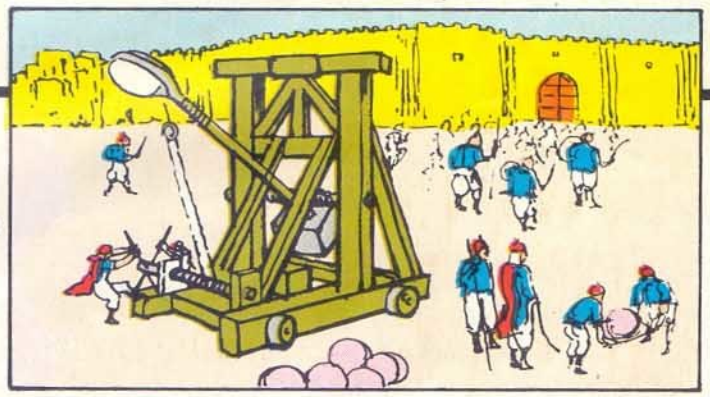

فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

لاہور کراچی راولپنڈی

خود پڑھیے

اور دوستوں کو تحفے میں دیجئے

سلطان ٹیپو
آخری قسط

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

السلام علیکم

تعلیم و تربیت کا اگلا شمارہ سالنامہ ہوگا۔

ہماری خواہش ہے کہ یہ رنگا رنگ سالنامہ ایک یادگار چیز ہو اور آپ اسے مدتوں یاد رکھیں۔ اس کے لیے ہم نے بچوں کے مشہور ادیبوں اور شاعروں سے کہانیاں اور نظمیں لکھوائی ہیں، اور ہمارے آرٹسٹ بھی اسے زیادہ سے زیادہ خوب صورت بنانے کے لیے دن رات محنت کر رہے ہیں۔

آج ہی اپنے اخبار فروش کو تاکید کر دیں کہ وہ ایک کاپی آپ کے لیے ضرور رکھ لے۔

آپ عرصے سے شکایت کر رہے تھے کہ علمی معما بہت مشکل ہوتا ہے۔ اسے ختم کر کے معلوماتی سوالات کا کوئی سلسلہ شروع کیا جائے۔ آپ کو یہ جان کر خوشی ہوگی کہ مئی کے مہینے سے معمے کی موجودہ صورت تبدیل کی جا رہی ہے۔ اب اس کی جگہ، جنرل نالج کے سوالات دیے جائیں گے۔

ہمیں امید ہے کہ آپ اس نئے سلسلے میں خوب ذوق و شوق سے حصہ لیں گے۔

ایڈیٹر

فہرست مضامین

اداریہ		1	چچا جھلکڑ (کہانی)	ذکیہ جگرامی	19	داؤدی علمی معما		37
سلام (نعت)	عنایت علی خان	2	عجیب کہانی (کہانی)	اوہنری	22	بزدل مکار اور بہادر (کہانی)	مقبول انور داؤدی	38
گلہری کی آزادی (کہانی)	ابرار محسن	3	پُراسرار نقاب پوش (سیریل)	اے حمید	23	زمین پر زندگی کی ابتدا (سائنس)	محمد اقبال ثاقب	40
سچا موتی (کہانی)	میرزا ادیب	5	بلا عنوان (کارٹون)		29	آپ کا خط ملا		42
سنہری انگوٹھی (کہانی)	محمد اقبال ثاقب	9	معصوم اونٹنی کا قتل (قرآنی کہانی)	ڈاکٹر عبدالرؤف	30	آپ بھی لکھیے		44
پھول (نظم)	خالد بزمی	12	آئیے، دوست بنائیں		31	مری (ہمارا وطن)	خدیجہ طلعت	48
برکتوں والا مینا	شیر محمد	13	جوڈو (سپورٹس)		32	ہونہار مصور		50
چھاپہ خانہ (انسائیکلوپیڈیا)	سعید لخت	14	نو بہن بھائیوں کا مزہ (کہانی)	شرافت عباس	34	ٹیپو سلطان (کامک)	ڈاکٹر عبدالرؤف	51
توبہ (کہانی)	انجم ناز	16	آئیے مسکرائیں		36	گیدڑ (وائلڈ لائف)		56

اکتیسواں سال - پہلا شمارہ

ماہنامہ

تعلیم و تربیت

پاکستان میں سب سے زیادہ پڑھا جانے والا بچوں کا محبوب رسالہ

چیف ایڈیٹر: عبدالسلام

ایڈیٹر: ظہیر سلام

سینیئر اسسٹنٹ ایڈیٹرز: مقبول انور داؤدی، ڈاکٹر عبدالرؤف

جائنٹ ایڈیٹر: سعید لخت

آرٹ ڈائریکٹر: محمود حسن رومی

سرکولیشن منیجر: الطاف احمد

ایڈورٹائزنگ منیجر: مبشر علی خان

ڈسٹری بیوشن منیجر: شہزاد اصغر

اکاؤنٹس منیجر: محمد انور بھٹی

جنرل منیجر پروڈکشن: ایم جاوید خان

منیجر پلاننگ: فاروق عالم

سرکولیشن اسسٹنٹ: محمد بشیر راہی

مطبوعہ فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ لاہور

پبلشر: ظہیر سلام

پرنٹر: عبدالسلام

شعبہ ادارت و اشتہارات
32۔ شارع بن بادیس (ایمپرس روڈ) لاہور
فون:- 63090-226819

سرکولیشن اور اکاؤنٹس
60۔ شاہراہ قائد اعظم لاہور
فون:- 301196-97

راولپنڈی آفس
277۔ پشاور روڈ
فون:- 63503-64273

کراچی آفس
مہران ہائٹس - مین کلفٹن روڈ
فون:- 537730

اپریل 1989

قیمت فی پرچہ 8/- روپے

سرورق: جوڈو

سلام

ہمارے نبیؐ پر ہوں لاکھوں سلام

نہ کیوں جان و دِل سے ہوں پیارے نبیؐ
حبیبِ خُدا ہیں ہمارے نبیؐ
بنے مُقتدی اُن کے سارے نبیؐ
ہُوئی آپ ہی پر نبُوّت تمام

ہمارے نبیؐ پر ہوں لاکھوں سلام

وہ آئے تو بچھڑے ہُوئے مِل گئے
خُوشی سے دِلوں کے کنول کِھل گئے
جو جھُوٹے تھے اُن سب کے لب سِل گئے
سُنایا اُنھوں نے جو رب کا کلام

ہمارے نبیؐ پر ہوں لاکھوں سلام

جو ظالم تھے، وہ رحم کرنے لگے
بُرے دم بھلائی کا بھرنے لگے
جو مُنکِر تھے وہ حق پہ مرنے لگے
سُنایا اُنھیں جب خُدا کا پیام

ہمارے نبیؐ پر ہوں لاکھوں سلام

ہمیں جو بھی اللہ سے نعمت مِلی
جو یہ عظمت و شان، شوکت مِلی
حقیقت میں اُنؐ کی بدولت مِلی
نہ کیوں اُنؐ کا ہم سب کو پیارا ہو نام

ہمارے نبیؐ پر ہوں لاکھوں سلام

عِنایت علی خان

گلہری کی آزادی

ابرار محسن

"کلوٹو ــــ کلوٹو!"

یہ آواز سُن کر کلوٹو خرگوش اپنے بھٹ میں سے باہر نکل آیا۔ وہیں درخت کی نچلی شاخ پر ایک فاختہ بیٹھی تھی۔

"کیا بات ہے بی فاختہ؟" کلوٹو نے پُوچھا۔

فاختہ بولی "تمھارے لیے ایک بُری خبر ہے۔ تمھاری دوست گلہری کو فیسی لکڑ بگھے نے پکڑ لیا ہے اور یہ پیغام بھیجا ہے کہ اگر تم نے خود کو اُس کے حوالے نہ کیا تو وہ گلہری کو چٹ کر جائے گا۔"

کلوٹو بہت پریشان ہو گیا۔ وہ جانتا تھا فیسی بہت ہی نیچ اور کمینہ ہے۔ مگر وہ اُس کی دوست گلہری کو پکڑے گا، اِس کی اُمید اُسے نہ تھی۔

کلوٹو اور گلہری کی بڑی دوستی تھی۔ بارہا گلہری نے اُس کی جان بچائی تھی۔

"فیسی ہے کہاں؟" کلوٹو نے سوال کیا۔

فاختہ نے جواب دیا "سمندر کے کنارے جہاں درخت نہیں ہیں۔ ورنہ گلہری دوڑ کر کسی درخت پر ہی چڑھ جاتی۔"

کلوٹو سوچتا رہا۔ اُس کی آنکھیں فکر میں ڈوبی ہوئی تھیں۔

اچانک وہ دھیرے سے مُسکرایا اور بولا "بی فاختہ، تم جا کر فیسی سے کہو وہ گلہری کو چھوڑ دے۔ اُس کے عوض میں اُسے ایک ایسی ترکیب بتاؤں گا کہ وہ جتنی دل چاہے مچھلیاں پکڑ سکے گا۔"

فاختہ پھُر سے اُڑ گئی۔

تھوڑی دیر بعد وہ فیسی کا جواب لے کر واپس آئی اور بتایا کہ وہ کہتا ہے "ٹھیک ہے۔ میں گلہری کو چھوڑ دوں گا۔ مگر پہلے مجھے یقین ہو جائے کہ کلوٹو مجھے بے وقوف نہیں بنا رہا ہے۔ اس کے بعد ہی گلہری آزاد ہو سکے گی۔ ترکیب کیا ہے؟ پہلے میں اُسے آزماؤں گا۔ اگر دھوکا ہُوا تو گلہری کی خیر نہیں ہے۔"

کلوٹو کہنے لگا "ٹھیک ہے۔ سُنو۔ سمندر کے کنارے، بھُوری چٹان کے سامنے، ریت کی ایک پتلی سی پٹی سمندر میں کافی دُور تک چلی گئی ہے۔ جہاں یہ پٹی ختم ہوتی ہے، وہاں ایک چھوٹا سا ٹیلا ہے جس پر ناریل کا صرف ایک ہی درخت ہے۔ فیسی سے کہو کہ پُورا چاند ہونے سے پہلے ہی اُس ٹیلے پر پہنچ جائے۔ جب چاند پُورا ہوتا ہے تو سمندر کی مچھلیاں چاندنی کا لُطف اُٹھانے ٹیلے پر چڑھ آتی ہیں۔ اُس وقت فیسی جتنی دل چاہے مچھلیاں پکڑ سکتا ہے۔ مگر اُس سے کہو کہ وہ گلہری کو آزاد کر دے۔"

فاختہ نے فیسی کو ساری بات بتائی۔

اُس نے کہا "گلہری کو آزادی اُسی وقت ملے گی جب کلُوٹو کی بات سچ ثابت ہوگی۔"

فاختہ نے سمجھایا "فیسی، بھلا گلہری کا کیا قصُور ہے؟ اُسے تو چھوڑ دو۔ بُری بات ہے۔"

فیسی مکّاری سے ہنس کر بولا "میں اچھائی بُرائی کچھ نہیں جانتا۔ میں لکڑ بگھا ہُوں، اور میرا کوئی اُصول نہیں ہے۔"

اُس نے گلہری کو پنجے میں پکڑا اور ریت کی پٹّی پر چلتا ہُوا ٹیلے تک پہنچ گیا۔ دِن چُھپنے والا تھا۔ سمُندر میں موجیں اُٹھنے لگی تھیں۔ اور پھر دِن چُھپ گیا۔ چاند کا جگمگاتا ہُوا گولا پانی میں سے اُبھرا اور ہر طرف چاندنی بکھیرنے لگا۔ ریت کی پتلی پٹّی پر پانی کی موجیں بار بار حملہ کرنے لگیں۔

جب چاند پُورا ہوتا ہے تو جوار بھاٹا آتا ہے۔ چاند کی کشش سے پانی کی موجیں اُوپر کو اُٹھتی ہیں اور ساحِل کی طرف دوڑتی ہیں۔ فیسی نے بھی یہ دیکھا۔ وہ بڑبڑایا:

"ایسا لگتا ہے پانی بڑھ رہا ہے۔ شاید مچھلیوں کے باہر نکلنے کا وقت آگیا ہے۔"

موجیں مست ہاتھیوں کی طرح چنگھاڑتی ہُوئی دوڑی چلی آرہی تھیں۔ ہوا کا زور بھی بڑھ گیا تھا۔ ناریل کا درخت زور زور سے جُھوم رہا تھا۔ فیسی کو یہ بات معلُوم نہیں تھی کہ جوار بھاٹا آنے پر پہلے ریت کی پٹّی پانی میں ڈُوبتی ہے، پھر وُہ ٹیلا بھی ڈُوب جاتا ہے۔ صرف ناریل کے درخت کا اُوپری حصّہ ہی پانی سے باہر رہ جاتا ہے۔

دیکھتے ہی دیکھتے ریت کی پٹّی پانی میں ڈُوب گئی۔ فیسی نے سوچا "کیا پروا ہے۔ ابھی مچھلیاں تو آئی نہیں۔ تھوڑی دیر اور انتظار کرُوں۔"

اب وُہ واپس بھی نہیں جا سکتا تھا۔

اچانک ایک لہر نے آکر فیسی کو گرا دیا۔ اُس کے ہاتھ سے گلہری چُھوٹ گئی اور دُوسرے ہی لمحے وہ پیڑ کی چوٹی پر جا بیٹھی۔

پانی بڑھتا جا رہا تھا۔ فیسی نے ساحل پر لوٹنے کی کوشش کی مگر ریت کی پٹّی کا کہیں پتا نہ تھا۔ وُہ بے بسی سے چلّایا:

"ارے! میں کیا کروں؟ کوئی بچاؤ! مچھلیاں بھی نہیں آئیں۔"

گلہری بولی "نادان لکڑ بگھے! مچھلیاں پانی میں رہتی ہیں۔ خشکی پر اُن کا کیا کام؟"

فیسی بُری طرح چلّایا "دھوکا ہُوا ہے میرے ساتھ! کلُوٹو، تُو نے مُجھے مروا دیا۔"

پانی بڑھتا رہا۔ موجیں ٹیلے پر دوڑتی رہیں۔ جب موجوں کا زور کم ہُوا تو فیسی اَدھ مرا سا ساحِل تک پہنچا اور بے ہوش ہو کر گر گیا۔ اُس کا بدن اکڑ گیا تھا۔ پھر نہ جانے کب اُسے ہوش آیا اور وہ گھسٹتا ہُوا چلا گیا۔

گلہری ناریل کے درخت پر ہوا میں مزے سے جُھولتی رہی، اور جوار بھاٹا ختم ہونے پر نیچے اُتر کر ساحِل پر چلی آئی۔ وُہ کلُوٹو کے پاس آئی اور اُسے ساری کہانی سُنائی۔

اور پھر دونوں مارے ہنسی کے لوٹ پوٹ ہو گئے۔

سچّا موتی

میرزا ادیب

احسن نے جب اپنی امّی سے یہ بات سُنی کہ وہ دسمبر کی چھٹیوں میں کراچی جا رہے ہیں تو اُسے بہت خوشی ہوئی۔ اُس نے کبھی کراچی شہر نہیں دیکھا تھا۔ وہ اپنے گھر والوں کے ساتھ پہلی مرتبہ وہاں جا رہا تھا۔ کراچی پہلی بار دیکھنے کی خوشی تو تھی ہی، اِس سے بڑی خوشی یہ تھی کہ وُہ ناصر کے ساتھ سمندر کے ساحل پر خوب خوب گھومے گا اور وُہ چیز تلاش کرے گا جسے حاصل کرنے کی اُسے بڑی خواہش تھی۔ کسی کہانی میں اُس نے پڑھا تھا کہ ایک غریب لڑکے نے سمندر کے کنارے سیر کرتے ہوئے ایک سچّا موتی پا لیا تھا جس سے اُس کے گھر کی غریبی دُور ہو گئی تھی۔ احسن غریب والدین کا بیٹا نہیں تھا۔ مگر سچّا موتی پانے کی خواہش مُدّت سے اُس کے دِل میں تھی اور دو تین بار اُس نے ایسا خواب بھی دیکھا تھا جس میں اُس نے ریت کے اُوپر ایک سچّے موتی کو چمکتے ہوئے پایا تھا اور اُسے یقین ہو گیا تھا کہ ایک نہ ایک روز وہ سچّا موتی حاصل کرنے میں ضرور کامیاب ہو جائے گا۔

دسمبر کی چھٹیوں کا پروگرام بن چکا تھا اور احسن کے ابّو، امّی اور بھائی بہن سفر کی بڑے زور شور سے تیاری کر رہے تھے۔ آخر وُہ صُبح آ پہنچی جس صُبح کو اُنھیں سٹیشن پر جا کر گاڑی میں بیٹھنا تھا۔ ٹکٹ پہلے ہی خریدے جا چکے تھے۔ اِس لیے اُنھیں ڈبّے کے اندر بیٹھنے میں کوئی تکلیف نہ ہوئی۔

گاڑی کراچی پہنچی تو احسن کے چچا جان، چچی اور ناصر اُن کا اِستقبال کرنے کی خاطر پلیٹ فارم پر موجود تھے۔ تھوڑی دیر بعد چچا جان کی موٹر اُن سب کو ایک شان دار مکان پر لے آئی۔

دو دِن تو مہمانوں کی بڑی خاطر مُدارت ہوئی۔ کئی دعوتیں ہوئیں۔ کیوں کہ کراچی میں احسن کے ابّو اور امّی کے کئی رشتے دار رہتے تھے اور سب اُنھیں چائے اور کھانے پر بُلانے کے آرزُومند تھے۔ اِن دو دِنوں میں سیر و تفریح کا کوئی پروگرام نہ بن سکا۔ اب ایسا پروگرام بننے لگا تو احسن نے امّی سے کہا:

"امّی، آپ مجھے ناصر کے ساتھ سمندر کے ساحل پر جانے کی اِجازت دیں گی؟"

وُہ بولیں "کیوں؟ ناصر کے ساتھ کس لیے جانا چاہتے ہو؟ ہم سب جو وہاں جائیں گے۔"

"نہیں، امّی۔ میں ناصر کے ساتھ جاؤں گا۔"

"اچھا۔ چلے جانا۔ لیکن جلد واپس آ جانا۔"

امّی سے اِجازت مِلی تو احسن نے یہ خوش خبری اُسی وقت ناصر کو سُنائی "ناصر بھئی، اب تو خوب مزا آئے گا۔"

ناصر جانتا تھا کہ احسن سمندر کے کنارے کیوں جانا چاہتا ہے۔ وُہ بولا "وہاں تو لوگوں کا ہر وقت ہجوم رہتا ہے۔ ہم سے پہلے ہی کسی نے سچّا موتی دیکھ لیا تو وُہ نہیں لے جائے گا؟"

احسن کو ذرا مایوسی تو ہوئی مگر وُہ کہنے لگا "ہم ایسے وقت میں وہاں جائیں گے جب لوگوں کا ہجوم کم ہوتا ہے۔"

ناصر نے اُسے بتایا "یہ وقت دوپہر کا ہوتا ہے۔ شام کے وقت تو وہاں بے شُمار لوگ ہوتے ہیں۔"

"ٹھیک ہے۔ ہم کل دوپہر ہی کو جائیں گے۔"

دوسرے روز باقی سب لوگ تو خرید و فروخت کرنے بازار چلے گئے اور احسن ناصر کے ساتھ سمندر کے کنارے پہنچ گیا۔

وہ سمندر کو زندگی میں پہلی بار دیکھ رہا تھا۔ ہر طرف پانی ہی پانی اور پانی میں جہاز اور کشتیاں۔ یہ منظر اتنا خوب صورت تھا کہ احسن سمندر سے نظریں ہٹاتا ہی نہ تھا۔ پھر جیسے ہی اُسے سچے موتی کا خیال آیا۔ وہ ناصر کے کان کے قریب منہ لے جاکر کہنے لگا:

"بہت کم آدمی ہیں۔ آؤ، ریت پر موتی تلاش کریں۔"

"ضرور، ضرور۔ میں نے کہانی میں پڑھا تھا کہ سمندر کی کوئی نہ کوئی لہر سچے موتی والے سیپ کو ریت پر گرا دیتی ہے۔ اللہ کرے ہمیں یہ سیپ مل جائے!" احسن نے سرگوشی میں کہا۔

ناصر نے ایک تجویز پیش کی "یوں کرتے ہیں کہ تم یہاں ریت پر سیپ ڈھونڈو اور میں اُدھر تلاش کرتا ہوں۔"

"بالکل ٹھیک" احسن نے کہا۔

آنے جانے والے لوگ انھیں اِس حالت میں دیکھتے کہ اُن کے پاؤں تو چل رہے ہیں اور نظریں ریت پر جمی ہوئی ہیں تو حیران ہو کر ایک دوسرے کو دیکھنے لگتے۔ مگر پھر یہ سوچ کر کہ اِن کی کوئی چیز گم ہو گئی ہے، اُسے ڈھونڈ رہے ہیں، آگے بڑھ جاتے۔ ناصر کی کمر دکھنے لگی۔ وہ وہیں ریت پر بیٹھ گیا۔

"کیوں؟ کیا ہوا؟" احسن نے پوچھا۔

"میری کمر میں تو درد ہونے لگا ہے۔ آج کا کام ختم۔ کل پھر آئیں گے۔" ناصر نے کہا۔

احسن اور کوشش کرنا چاہتا تھا۔ لیکن اسے ناصر کی بات ماننا پڑی۔

دوسرے روز دوپہر کے وقت وہ پھر ریت میں سیپ ڈھونڈ رہے تھے۔ لیکن دو گھنٹے گزر گئے، کوئی سیپ یا موتی نہ ملا۔ تیسرے روز بھی یہی ہوا۔ دونوں دوپہر سے پہلے پہلے گھر سے نکل جاتے اور دیر سے واپس گھر آتے۔

"آخر یہ دونوں وہاں کرتے کیا ہیں؟" یہ سوال ناصر کے بڑے بھائی باصر کے ذہن میں آیا اور اُس نے سوچا کہ اُن کے پیچھے جاکر دیکھنا چاہیے۔

دوپہر کی دھوپ چمک رہی تھی۔ باصر احسن اور ناصر کے پیچھے پیچھے آیا تھا۔ اُس نے دیکھ لیا کہ وہ کر کیا رہے ہیں۔ اُسے حیرت تو بڑی ہوئی مگر وہ اُس وقت خاموش رہا اور گھر آکر اپنے ابا جان کو یہ ماجرا سنایا۔

"تم نے اُن سے پوچھا نہیں کہ ریت پر کیا ڈھونڈ رہے ہو؟" ابا جان نے پوچھا۔

"میں نے اُن سے کوئی بات نہیں کی۔"

"گئے تھے تو پُوچھا کیوں نہیں؟"

"میں چاہتا تھا کہ اِس راز کو ابھی راز ہی رہنے دیا جائے۔"

یہ سُن کر ابّا جان ہنس پڑے۔ اُنھوں نے کہا "اچھا آج رات اُن سے بات ہوگی۔"

کھانا کھانے کے بعد ناصر کے ابّا جان نے دونوں کو اپنے کمرے میں بُلایا اور کچھ دیر اِدھر اُدھر کی باتیں کرنے کے بعد بولے "احسن بیٹے، سُمندر کے ساحل پر گھومنا صحت کے لیے بہت مُفید ہے۔ مگر یہ مُعاملہ سمجھ میں نہیں آیا کہ تُم نے ریت میں کون سی چیز کھودی ہے جسے آج دیر تک تلاش کرتے رہے ہو؟"

احسن کو اپنے چچا جان سے اِس سوال کی بالکل توقّع نہ تھی۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا کہ کہے تو کیا کہے۔ وُہ ناصر کا مُنھ تکنے لگا۔

"بتاؤ نا، بیٹے۔ مُمکن ہے وُہ چیز ڈھونڈنے میں مَیں تُمھاری کوئی مدد کر سکوں۔"

احسن تو خاموش رہا، مگر ناصر نے اصل بات بتا دی۔ اُس کے ابّو ہنس پڑے۔ اُنھوں نے کہا "احسن بیٹا، سچّا موتی چاہتے ہو نا؟"

احسن خاموش رہا تو وُہ بولے "بیٹا، بے کار کوشش کر رہے ہو۔ اِس مُعاملے میں مَیں تُمھاری بڑی مدد کر سکتا ہُوں۔ تُمھاری آرزُو ضرور پُوری ہوگی۔ کل چلنا میرے ساتھ۔"

احسن کو یُوں محسُوس ہُوا جیسے وہ یہ الفاظ خواب میں سُن رہا ہے۔ آدھی رات تک اُسے نیند نہ آسکی۔ سچّا موتی مِلنے کی خُوشی میں وہ بار بار اُٹھ کر بیٹھ جاتا اور لیٹ کر کروٹیں لینے لگتا۔ صُبح ہُوئی تو ناشتے کے بعد اُس کے چچا جان بولے:

"مُجھے دفتر میں تھوڑا سا کام ہے۔ گیارہ ساڑھے گیارہ بجے آجاؤں گا۔ تُم اور ناصر باہر چلنے کے لیے تیّار رہنا۔"

سوا گیارہ بجے وہ آگئے۔ احسن اور ناصر بڑی بے تابی سے اُن کا اِنتظار کر رہے تھے۔

"تیّار ہو، بچّو؟" اُنھوں نے پُوچھا۔

"جی ہاں" دونوں نے بیک آواز جواب دیا۔

"تو چلو۔"

تینوں گاڑی میں بیٹھ گئے۔ گاڑی ناصر کے ابّا جان خُود چلا رہے تھے۔ آدھ گھنٹا گاڑی چلتی رہی۔ پھر یکایک رُک گئی۔

"یہاں ایک صاحب رہتے ہیں۔ تُم اُن سے مِل کر خُوش ہوگے۔ بچّوں سے بڑی محبّت کرتے ہیں۔ پہلے اُن کے ہاں چلتے ہیں۔"

وہ ایک بنگلے کے دروازے پر پُہنچے۔ نوکر نے انھیں ایک شان دار ڈرائنگ رُوم میں بٹھا دیا۔ چند منٹ گزرے ہوں گے کہ ایک شخص، جس نے اعلیٰ درجے کا سُوٹ پہنا ہُوا تھا، اندر آیا۔ ناصر کے ابّا جان اُسے دیکھتے ہی کھڑے ہوگئے۔ احسن اور ناصر بھی کھڑے ہوگئے۔

"افضل صاحب، یہ ناصر ہے۔ میرا بیٹا۔ اور یہ ہے احسن۔ میرے بھائی کا بیٹا، جو لاہور میں رہتے ہیں۔ سوچا، یہ بچّے آپ سے مِل کر خوش ہوں گے، ساتھ لے آیا۔

افضل صاحب مسکراتے ہُوئے بچّوں کے قریب آئے، اُن کے سر پر ہاتھ پھیرا اور بیٹھنے کے لیے کہا۔ پھر پُوچھنے لگے کہ کون سی جماعت میں پڑھتے ہو؟ کون کون سے کھیل پسند ہیں؟ کون کون سے پھُول پسند ہیں؟ تھوڑی دیر بعد نوکر چائے اور چائے کے ساتھ کھانے کی بڑی لذیذ چیزیں لے آیا۔ سب چائے پینے لگے۔

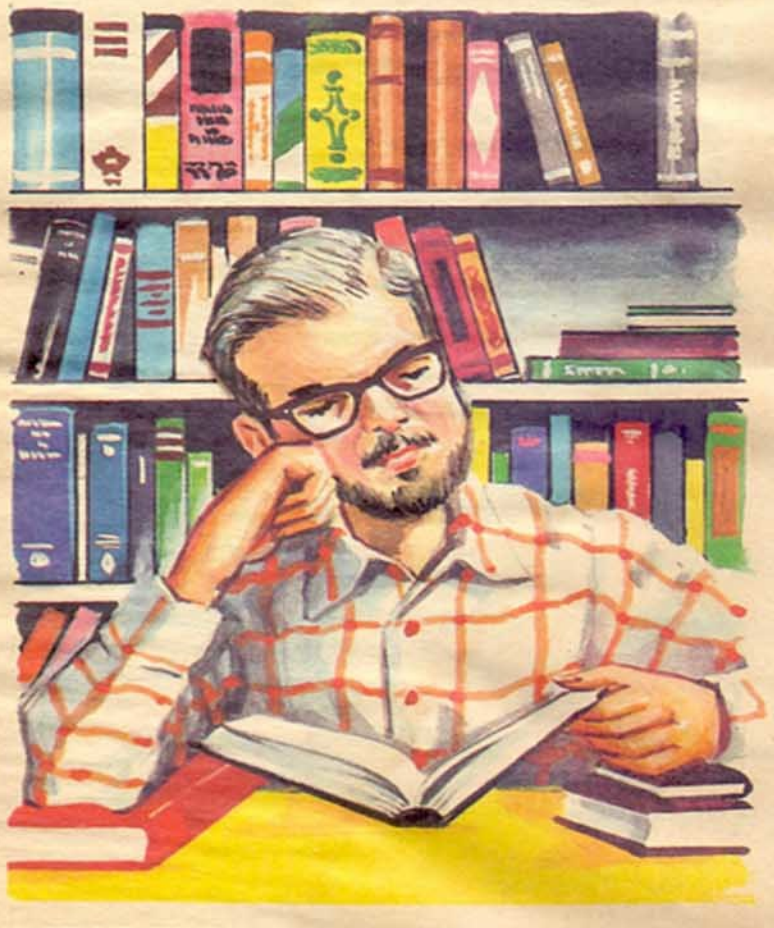

ناصر کے ابّا جان کہنے لگے "میں دیکھتا ہوں، تم افضل صاحب سے مل کر خوش ہو۔ خوش ہونا؟"

"جی ہاں" دونوں ایک ساتھ بولے۔

"میں نے اِن کا تعارف تو کرایا ہی نہیں۔ یہ کراچی کے ایک بہت بڑے کالج کے پرنسپل ہیں۔ ہر جگہ اِن کی بڑی عزت کی جاتی ہے۔ بڑے ہر دل عزیز ہیں۔ اِن کے متعلق سب سے بڑی بات یہ ہے کہ جب یہ تمھاری عمر کے تھے تو یتیم ہو گئے تھے۔ بالکل بے سہارا تھے۔ اِنھوں نے محنت کی۔ ہر امتحان میں وظیفہ حاصل کیا۔ آخر معمولی درجے کے اُستاد سے ترقی کر کے پرنسپل کے عہدے تک پہنچ گئے۔ یہ عزت اور احترام جو اِنھیں ملا ہے، اپنی محنت، نیک نیتی اور حُسنِ اخلاق کے نتیجے میں ملا ہے۔"

وہ کچھ اور کہنا چاہتے تھے کہ افضل صاحب نے اُنھیں اِشارے سے خاموش کر دیا "بس بھائی۔ زیادہ شرمندہ نہ کرو۔"

"میں نے ایک حقیقت بیان کی ہے، افضل صاحب" ناصر کے ابّا جان کہنے لگے۔

"چھوڑیے یہ باتیں۔ بچّوں سے باتیں کرتے ہیں۔"

افضل صاحب کچھ دیر اور احسن اور ناصر سے باتیں کرتے رہے اور جب ناصر کے ابّا جان نے رُخصت چاہی تو افضل صاحب نے دونوں بچّوں کو بہت خوب صورت تحفے دیے جنھیں پا کر دونوں بہت خوش ہوئے۔

"اب چلو۔ سمندر کی طرف چلتے ہیں۔"

وہ آدھ گھنٹا ساحل پر گھومتے رہے۔ دونوں لڑکے آس لگائے بیٹھے تھے کہ وہ اُنھیں سچّا موتی دکھائیں گے۔ لیکن وہ کہنے لگے "اب گھر چلتے ہیں۔ کھانے کا وقت ہو گیا ہے۔"

یہ سُن کر احسن اور ناصر مایوس ہو گئے۔

ناصر کے ابّا جان نے اُن کے چہروں سے اندازہ لگا لیا کہ وہ کیا کہنا چاہتے ہیں۔ وہ بولے "کیوں؟ کیا ہوا؟ مایوس سے کیوں نظر آتے ہو؟"

احسن نے ہمّت کر کے پُوچھ لیا "چچا جان، وہ سچّا موتی...؟"

"وہ سچّا موتی؟ ٹھیک ہے۔ ٹھیک ہے۔ مگر احسن بیٹا، تم وہ سچّا موتی دیکھ تو چکے ہو۔"

"کہاں، چچا جان؟" احسن نے حیرت زدہ ہو کر کہا۔

"ارے! وہ افضل صاحب۔ اُن سے ملے نہیں تھے؟"

"ملے تھے" دونوں نے کہا۔

"پھر بھی کہتے ہو کہ سچّا موتی کہاں ہے؟ دیکھو، میرے بچّو، سچّا موتی سیپ کا موتی نہیں ہوتا۔ اصل سچّا موتی وہ اِنسان ہوتا ہے جو اپنی چمک دمک سے چاروں طرف روشنی پھیلائے۔ جس کی قدر لوگ اِس وجہ سے کریں کہ وہ بڑا اچھا آدمی ہے۔ تم خود سچّا موتی بننے کی کوشش کرو، جس طرح افضل صاحب بنے ہیں۔"

جب احسن اور ناصر گھر واپس آ رہے تھے تو اُنھوں نے طے کر لیا تھا کہ وہ خُوب محنت کر کے بڑا آدمی بنیں گے۔ اور یہ بڑا آدمی ہی سچّا موتی ہوتا ہے۔

قائدِ اعظمؒ نے فرمایا

نہایت مسرت اور شادمانی کے ساتھ میں آپ کو مبارک باد دیتا ہوں کہ آج پاکستان کی آزادی کا دن ہے۔ یہ مسلمانوں کے مقصد کی تکمیل کا دن ہے جس کے لیے اُنھوں نے ماضی کے چند سالوں میں بڑی قربانیاں دی ہیں۔ مملکت پاکستان کے قیام کے بعد شہریوں پر بڑی بھاری ذمہ داری عائد ہو گئی ہے کہ وہ تمام شہریوں کی فلاح کے لیے کام کریں۔ ہمیں اقلیتوں پر اپنے قول و فعل سے یہ ثابت کر دینا چاہیے کہ جب تک وہ پاکستان کے وفادار شہری رہیں گے انہیں کوئی خطرہ لاحق نہ ہو گا۔

آج رمضان المبارک کے جمعۃ الوداع کا دن ہے، جس پر نہ صرف برصغیر کے مسلمان بلکہ ساری دنیا کے مسلمان خوشی مناتے ہیں۔ مسلمانوں کو ہزاروں کی تعداد میں مسجد میں جمع ہو کر انکساری کے ساتھ خدا کے سامنے جھک جانا چاہیے۔ اور اُس سے فضل و کرم کی دُعا کرنی چاہیے کہ وہ پاکستان کو ایک عظیم مملکت اور ہمیں اچھا شہری بننے میں ہماری راہ نمائی کرے۔

آخر میں مجھے یہ کہنا ہے کہ میرے بھائیو! پاکستان کی سرزمین میں خزانے چھپے ہوئے ہیں، ہمیں اس مُلک کو مسلمان قوم کے شایانِ شان بنانے کے لیے اپنی قوت کا ایک ایک ذرّہ صرف کرنا پڑے گا۔ مجھے اُمید ہے کہ تمام لوگ اس کام میں دل و جان سے حصہ لیں گے۔ (نشری تقریر)

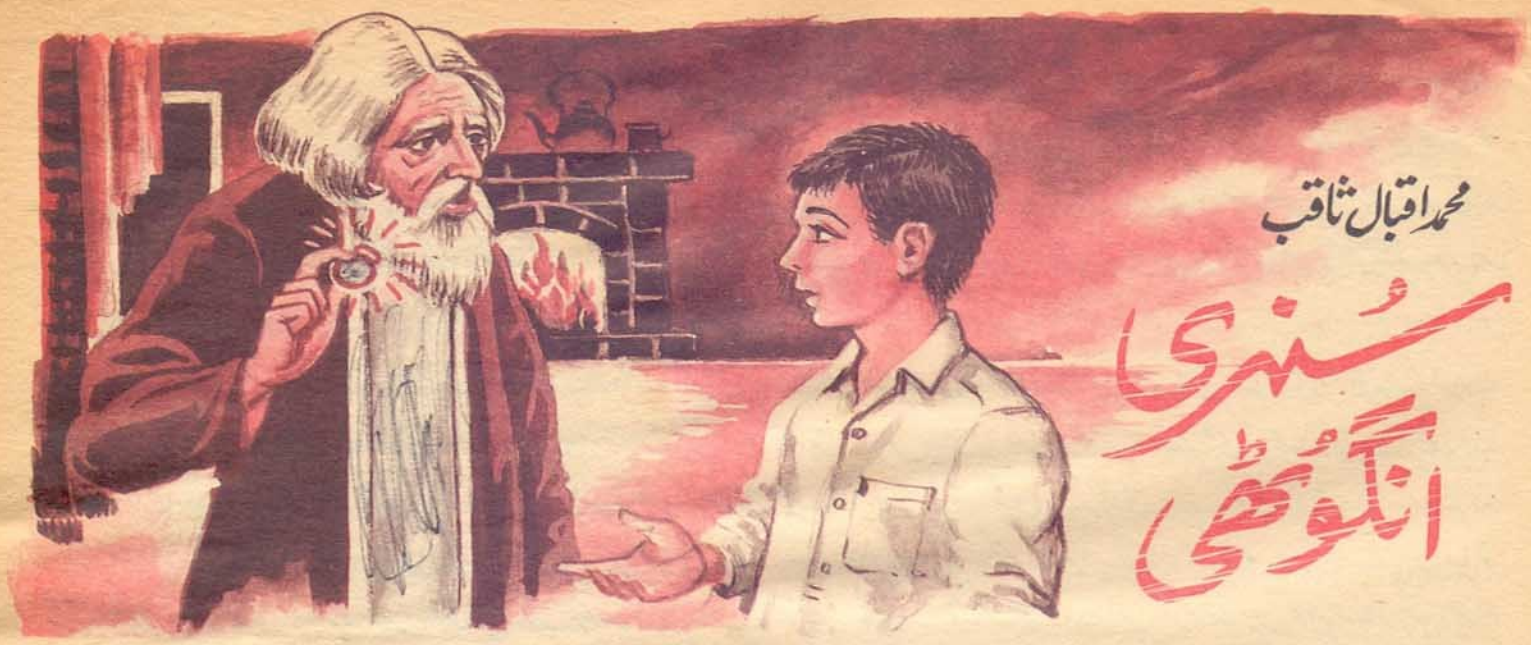

محمد اقبال ثاقب

سُنہری انگوٹھی

آدھی رات کا وقت تھا، طوفانی بارش کے ساتھ ژالہ باری بھی ہو رہی تھی ۔ سرائے کا مالک رحمت بڑے مزے سے میٹھی نیند سو رہا تھا ۔ گھوڑے، اصطبل میں ژالہ باری کی سردی میں ٹھٹھر رہے تھے۔ انگیٹھی کی آگ سرد ہو رہی تھی ۔ ایک پندرہ سالہ لڑکا فضلو میلے سے کمبل میں لپٹا لکڑی کے بنچ پر لیٹا ہوا تھا ۔ آدھی رات کو مسافروں کے لیے سرائے کا دروازہ کھولنا اس کے فرائض میں شامل تھا ۔

اچانک کسی نے دروازہ کھٹکھٹایا۔ فضلو دروازے کی طرف لپکا ۔ جلد ہی اس نے اپنے سامنے ایک سیاہ پوش مسافر کو کھڑا پایا ۔ وہ ایک دراز قامت سفید داڑھی والا بوڑھا شخص تھا ۔ جس کا چہرہ مُردوں کی طرح زرد تھا ۔

"میں آگے نہیں جا سکتا" یہ کہتے ہوئے بوڑھا اندر داخل ہو گیا اور انگیٹھی کے پاس پڑی ہوئی کُرسی پر ڈھیر ہو گیا ۔ فضلو نے اس کے پینے کے لیے کوئی گرم چیز لانا چاہی مگر بوڑھے نے روک دیا اور کہا کہ "میں تم سے صرف چند باتیں کرنا چاہتا ہوں" ۔ پھر بوڑھے نے بتایا کہ "بادشاہ مر گیا ہے" ۔ یہ سن کر فضلو بُت بن کر کھڑا ہو گیا اور اس کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں ۔ بوڑھے نے بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا کہ "بادشاہ کا بیٹا شہزادہ جہاں زیب بادشاہت کا جائز حق دار ہے ۔ لیکن بادشاہ کا بھائی شیر خان اپنے بھتیجے پر ظُلم کر کے تخت پر قبضہ کرنا چاہتا ہے" ۔ فضلو نے پوچھا کہ کیا ان کے درمیان لڑائی ہو گی؟ بوڑھے نے جواب دیا "ہاں" مگر سوائے اس کے کہ "یہ کہتے ہوئے اس نے ایک چمکدار سُنہری انگوٹھی نکالی جو رات کی تاریکی میں چمک رہی تھی۔ پھر بوڑھے نے بات کو جاری رکھتے ہوئے کہا "اگر یہ انگوٹھی شہزادے جہاں زیب کو مِل جائے تو شیر خان تخت کا دعویٰ نہیں کر سکتا ۔ کیونکہ اس خاندان کے رواج کے مطابق تخت کا حق دار وہی شخص ہوتا ہے جس کے پاس یہ انگوٹھی ہو" ۔

بوڑھے نے مزید بتایا کہ "بادشاہ نے مرتے وقت مجھے یہ کہا تھا کہ یہ انگوٹھی شہزادے کے، پاس لے جاؤ ۔ لیکن جونہی اِس بات کا عِلم شیر خان کو ہوا اُس نے اپنے آدمی میرے تعاقب میں لگا دئے تاکہ مجھے قتل کر کے یہ انگوٹھی حاصل کر سکیں اور تخت پر قابض ہو سکیں" ۔ بوڑھے کی یہ باتیں سن کر فضلو نے انگوٹھی اپنے ہاتھ میں لے لی ۔ اس انگوٹھی میں انڈے کی شکل کا ایک پتھر جڑا ہوا تھا جو اپنے رنگ بدلتا تھا اور اس سے ایک ساز کی آواز بھی آتی تھی ۔ بُوڑھے نے کہا کہ "میں اب بہت کمزور ہو چکا ہوں اس لیے یہ انگوٹھی شہزادے کے پاس نہیں لے جا سکتا" ۔ فضلو نے پوچھا کہ کیا تم شیر خان کے آدمیوں سے چُھپ نہیں سکتے؟ بوڑھے نے جواب دیا "نہیں" کیونکہ شیر خان کے آدمیوں کے پاس ایک ایسا پرندہ ہے جو اِس انگوٹھی کے پتھر سے نکلنے والی آواز کو سُن سکتا ہے۔ اور اس انگوٹھی تک پہنچنے میں اُن کی مدد کرتا ہے ۔ خواہ اِس انگوٹھی کو بہت زیادہ گہرا بھی دبا دیا جائے ۔

فضلو اور بوڑھا مسافر دونوں خاموشی سے اِس مشکل کا حل تلاش کرنے لگے ۔ بوڑھے نے کہا "اب میری ہمت جواب دے

گئی ہے، لیکن تم نوجوان ہو ۔ تم یہ انگوٹھی شہزادے جہاں زیب کے پاس لے جاؤ، وہ یقیناً تمہیں اِس کام کے بدلے منہ مانگا انعام دے گا"۔ بوڑھا ابھی یہ باتیں کر ہی رہا تھا کہ فضلو کسی کام سے اندر چلا گیا اور جب تھوڑی دیر بعد واپس آیا تو بوڑھا غائب ہو چُکا تھا ۔ مگر سنہری انگوٹھی فضلو کے ہی پاس تھی ۔

صُبح کو فضلو اپنے مالِک رحمت سے پہلے اُٹھ کھڑا ہوا ۔ اُس کی ہتھیلی میں انگوٹھی کا پتھر نیلے آسمانی رنگ سے پیلا ہو رہا تھا ۔ وہ باورچی خانے میں گیا اور دودھ کا ایک پیالہ پیا ۔ اس نے سوچا کہ اب اُسے کیا کرنا چاہیے ۔ فضلو یہ سوچ ہی رہا تھا کہ اُس کی نظر ایک کپڑے کی پُرانی بوری پر پڑی ۔ اب اُس کے ذِہن میں ایک ترکیب آئی فضلو نے بوری کو پکڑا اور انگوٹھی کو بوری میں ڈال کر لکڑی کے چند چوکور ٹکڑے بھی بوری میں ڈال دیئے ۔ اس کے بعد فضلو نے باورچی خانے سے نمک لیا اور بوری کو نمک سے بھر دیا اور اس کے منہ کو مضبوطی سے باندھ دیا ۔ اس سے پہلے کہ سرائے کا مالک رحمت صُبح کو جاگتا، فضلو نے بوری کو کندھے پر اُٹھایا اور اُس جھیل کی طرف چل دِیا جو سرائے کے قریب ہی تھی ۔ یہ جھیل بہت زیادہ لمبی چوڑی نہیں تھی ۔ مگر اس کی گہرائی بے اندازہ تھی ۔ مقامی لوگوں کا خیال تھا کہ یہ جھیل زمین کی نچلی دُنیا اور اوپر والی دُنیا کے درمیان دہلیز ہے ۔

فضلو نے جھیل کے کنارے سے ایک چھوٹی کشتی کو کھولا اور اُس کو جھیل کے درمیان لے گیا ۔ پھر اُس نے نمک بھری بوری کو جھیل میں پھینک دیا ۔ جیسے ہی بوری پانی میں ڈوبی تو جھیل کی سطح پر بلبلوں کی لڑیاں نمودار ہوئیں ۔ بوری کو جھیل میں پھینکنے کے بعد فضلو واپس سرائے میں آگیا ۔

سہ پہر کے آخری حِصّے میں شیر خان کے آدمی جھیل کے قریب پہنچ گئے ۔ یہاں پر اُس پرندے نے بڑی کرخت آواز میں شور مچانا شروع کر دیا ۔ شیر خان کے آدمی پرندے کی آواز پر رُک گئے اور سرائے میں پہنچ گئے ۔ سرائے کا مالک رحمت اُن کے پاس آیا تو انہوں نے پوچھا کہ گزشتہ رات اِس سرائے میں کون مسافر ٹھہرا تھا؟ شیر خان کے آدمیوں کے سردار نے کہا کہ سچ سچ بتا دو ورنہ تمہاری گردن میری تلوار سے نہیں بچ سکتی ۔ رحمت نے کانپتے ہوئے کہا "کوئی نہیں" "کوئی نہیں" ۔ سردار نے رحمت کا یہ جواب سُن کر کہا کہ تم غلط بکتے ہو ۔ یہ پرندہ جھوٹا نہیں ہو سکتا ۔ رحمت نے کہا حضور اندر آجائیے اور اپنا شک دور کر لیجئے، فضلو سے پوچھ لیں ۔ یہ میرا واحد نوکر ہے، یہ آپ کو بتا دے گا کہ گزشتہ رات کوئی یہاں نہیں ٹھہرا ۔ اتنے میں سرائے کے قریب والے گاؤں کے کچھ لوگ جمع ہو گئے ۔ اُن میں سے ایک آدمی نے بتایا کہ میں نے ایک آدمی کو صُبح جھیل کی طرف جاتے دیکھا ہے لیکن اِس کو واپس مُڑتے نہیں

دیکھا ۔

یہ سُن کر سردار نے حکم دیا کہ پرندے کو آزاد کر دیا جائے ۔ لوگوں نے پرندے کو اُوپر کی جانب اُڑتے دیکھا ۔ پھر وہ جھیل کے بالکل درمیان پہنچ کر بڑی بلندی سے کرب ناک آواز کے ساتھ نیچے گر پڑا اور جھیل میں ڈوب کر مر گیا ۔

یہ دیکھ کر شیر خان کے گھوڑسواروں کو اندازہ ہو گیا کہ وہ مسافر جس کا وہ تعاقب کر رہے ہیں انگوٹھی سمیت اِس پُراسرار جھیل میں ڈوب چُکا ہے ۔ وہ خوفزدہ ہو کر واپس دوڑ پڑے ۔ اب جنگ ضروری ہُو چکی تھی لوگ لڑائی کے خوف سے اپنے مال و متاع کو محفوظ مقامات پر لے جانے میں مشغول ہو گئے ۔ اُدھر شہزادہ جہاں زیب اور شیر خان لڑائی کی تیاریوں میں لگ گئے ۔

اگلی رات فضلو جھیل کی طرف گیا، تاکہ چاندنی رات میں دیکھے کہ بوری نے تیرنا شروع کیا ہے یا نہیں ۔ اِس دفعہ فضلو کو کوئی چیز نظر نہ آئی اور وہ واپس لوٹ آیا ۔ جب دوسری رات بھی فضلو کو بوری نظر نہ آئی تو اس کا دل خوف سے دھڑکنے لگا ۔ اُس نے سوچا کہ سُنہری انگوٹھی ہمیشہ ہمیشہ کے لیے ہاتھ سے نِکل گئی ہے ۔ اب خونریز لڑائی کو کوئی نہیں روک سکتا ۔

تیسری رات فضلو جب چاندنی رات میں جھیل کے کنارے پہنچا تو اُسے درمیانی حصّے میں ایک سیاہ سی چیز تیرتی ہوئی نظر آئی ۔ وہ کشتی کو چلاتا ہوا جھیل کے درمیان جا پہنچا ۔ اُس نے دیکھا کہ یہ وہی بوری ہے جِس کو اُس نے نمک سے بھر کر جھیل میں ڈالا تھا ۔ نمک کے پانی میں حل ہونے کے بعد بوری نے لکڑی کے چوکور ٹکڑوں کی مدد سے تیرنا شروع کر دیا تھا ۔ فضلو اپنی ترکیب کو کامیاب دیکھ کر بہت خوش ہوا ۔ اُس نے بوری کو پکڑا اور سنہری انگوٹھی کو اُس سے باہر نکالا اور خوشی خوشی شہزادے جہاں زیب کی طرف روانہ ہو گیا ۔

فضلو جب شہزادے جہاں زیب کے دربار میں پہنچا تو اُس نے شہزادے سے مِلنے کی خواہش کا اظہار کیا ۔ لوگوں نے فضلو کی اِس خواہش کا مذاق اُڑایا مگر فضلو کے شدید اصرار پر اُسے ملاقات کی اجازت دے دی گئی ۔

فضلو، شہزادے جہاں زیب سے ملا اور تمام قصہ سُنانے کے بعد انگوٹھی اُس کے حوالے کر دی ۔ شہزادے نے خوشی سے فضلو کو سینے سے لگا لیا ۔ انعام کے طور پر شہزادے جہاں زیب نے فضلو کو ہمیشہ ہمیشہ کے لیے دربار میں رکھ لیا ۔

حیرت انگیز فیصلہ

رسولِ خدا حضرت محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی مشہور حدیث ہے، آپؐ نے فرمایا :۔

"میں علم کا شہر ہوں اور علیؓ اس کا دروازہ ہے"۔

حضرت علیؓ نے اپنی عملی زندگی میں یہ ثابت کر دیا کہ وہ بہت بڑے عالم ہیں ۔ آپؓ نے اُس دَور کے بڑے بڑے پیچیدہ مسائل کو اس طرح حل کیا کہ اِس دَور کے عالم حیران رہ جاتے ہیں ۔

ایک دفعہ تین اشخاص حضرت علیؓ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور ایک نہایت پیچیدہ مسئلہ آپؓ کی خدمت میں پیش کیا ۔ انھوں نے کہا کہ ہم تینوں سترہ اونٹوں میں حِصہ دار ہیں ۔ ایک آدھے کا، دوسرا ایک تہائی کا اور تیسرا نویں حصے کا مالک ہے ۔ اب یہ اونٹ کیسے تقسیم کریں کہ سب کو پُورا پورا حِصہ بھی مل جائے اور کوئی اونٹ ذبح بھی نہ کرنا پڑے ؟

آپؓ نے اِس مسئلے کو اس طرح حل کیا کہ ایک اونٹ اپنی طرف سے شامل کر کے کُل اٹھارہ اونٹ کر دیے ۔ آدھے حِصے والے کو نو اونٹ دے دیئے ۔ تہائی والے کو چھ اور نویں حصے والے کو دو ۔ اس طرح تقسیم ہونے والے اونٹوں کا مجموعہ (17 = ۹+۶+۲) سترہ ہو گیا ۔ آپؓ نے اپنا اونٹ واپس لے لیا ۔

آپؓ کے اس حیرت انگیز فیصلے پر لوگ حیران تھے کہ ہر حصہ دار کو اپنے حصے سے جو زیادہ ملا ہے، وہ کہاں سے آگیا ؟

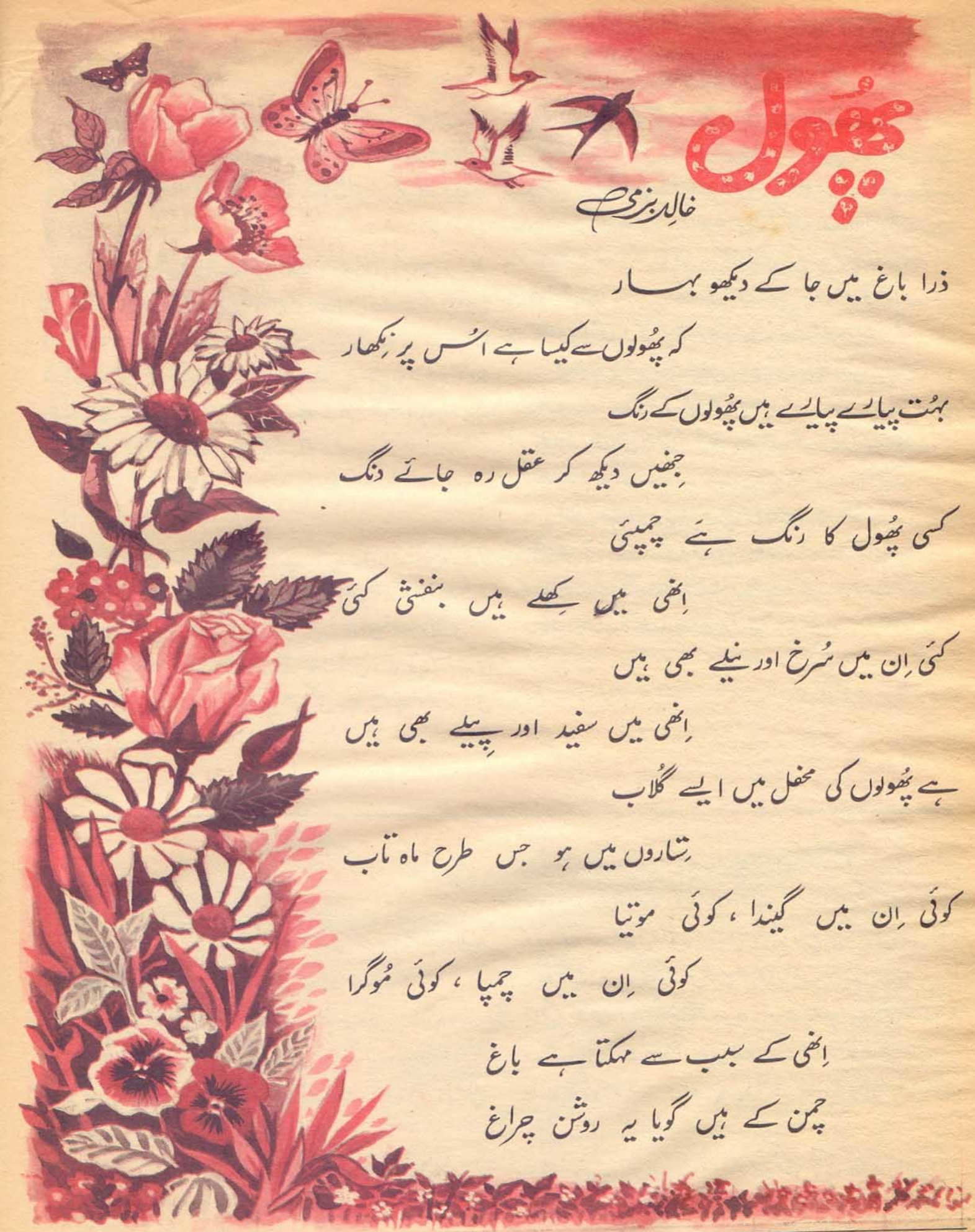

پھول

خالد بزمی

ذرا باغ میں جا کے دیکھو بہار
کہ پھولوں سے کیسا ہے اُس پر نکھار
بہت پیارے پیارے ہیں پھولوں کے رنگ
جنھیں دیکھ کر عقل رہ جائے دنگ
کسی پھول کا رنگ ہے چمپئی
انھی میں کھلے ہیں بنفشی کئی
کئی اِن میں سُرخ اور نیلے بھی ہیں
انھی میں سفید اور پیلے بھی ہیں
ہے پھولوں کی محفل میں ایسے گُلاب
ستاروں میں ہو جس طرح ماہ تاب
کوئی اِن میں گیندا، کوئی موتیا
کوئی اِن میں چمپا، کوئی مُوگرا
انھی کے سبب سے مہکتا ہے باغ
چمن کے ہیں گویا یہ روشن چراغ

برکتوں والا مہینا

پیارے بچو، آپ کو رمضان کا مہینا مبارک ہو! اللہ تعالیٰ آپ پر اس مبارک مہینے کی بے انتہا برکتیں نازل فرمائے اور آپ کے روزوں کو قبول فرما کر اُن کا اجر اور ثواب آپ کو اور آپ کے والدین کو عطا کرے۔ آمین!

روزوں کا مہینا ہمارے گھروں میں شاہی مہمان کی طرح آتا ہے اور ہم اپنی آنکھیں اس کے قدموں میں بچھاتے ہیں۔ اس مبارک مہینے کی آخری دس راتوں میں ایک رات ایسی آتی ہے جسے لیلۃ القدر یا شبِ قدر کہتے ہیں۔ یہ رات اتنی برکتوں والی ہے کہ اس کی شان میں قرآنِ مجید میں ایک سورت نازل ہوئی۔ اللہ تعالیٰ اس سورت میں ارشاد فرماتا ہے:

"ہم نے اس (قرآن) کو شبِ قدر میں نازل کیا ہے۔ آپ کو کچھ معلوم بھی ہے کہ شبِ قدر کتنی بڑی چیز ہے۔ شبِ قدر ہزار مہینوں سے بہتر ہے۔"

حضور صلی اللہ علیہ وآلہٖ واصحابہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ شبِ قدر کو رمضان کی اکیس، تئیس، پچیس، ستائیس یا انتیسویں رات میں تلاش کرو۔ آپ کہیں گے کہ کیا ہی اچھا ہوتا اگر حضور صلی اللہ علیہ وسلم اس مبارک رات کی صحیح تاریخ اپنی اُمت کو بتا دیتے۔ ہم اس کے جواب میں آپ کو ایک واقعہ سناتے ہیں۔ حضور سرورِ کائنات صلی اللہ علیہ وسلم ایک رات مسجدِ نبوی میں تشریف لے گئے۔ وہاں ایک صحابی سو رہے تھے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ تعالیٰ عنہ سے فرمایا "اس شخص کو جگا دو۔"

حضرت علیؓ نے اُن صحابی کو جگانے کے بعد حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے پوچھا "حضور! تو نیک کام کرنے میں خود پہل کرتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ ان صاحب کو آپ نے خود جگانا مناسب خیال نہ فرمایا؟" حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا "اگر یہ شخص میرے کہنے کے باوجود نہ اُٹھتا اور سوتا رہتا تو (نبی کی نافرمانی کرنے کی وجہ سے) گناہ گار بن جاتا۔"

اسی طرح اللہ کی رحمت نے بھی یہ نہ چاہا کہ کچھ لوگ شبِ قدر کی صحیح تاریخ معلوم ہو جانے کے باوجود اس مبارک رات میں سوئے رہتے اور ساری زندگی کے لیے اس کی برکتوں سے محروم ہو جاتے۔

رمضان کے روزے ہر عاقل اور بالغ مسلمان پر فرض ہیں۔ آپ سوال کریں گے کہ ہم پر روزے کیوں فرض کیے گئے ہیں۔ قرآنِ مجید میں ہے کہ دُنیا ایک آزمائش کی جگہ ہے۔ اللہ تعالیٰ یہاں اپنے بندوں کا امتحان لیتا ہے۔ انھی امتحانوں میں سے ایک امتحان روزہ ہے۔ لیکن اللہ تعالیٰ امتحان کا نتیجہ اس دُنیا میں نہیں سناتا۔ نتیجہ سنانے کا ایک خاص وقت مقرر ہے، اور یہ وقت قیامت کے روز آئے گا۔ اللہ تعالیٰ نے زندگی اور موت کا نظام اسی لیے قائم کیا ہے کہ اُس کے بندے زندگی میں نیک کام کریں اور مرنے کے بعد، قیامت کے دن، انھیں ان کاموں کا بدلہ دیا جائے۔

رمضان کے مبارک مہینے میں اللہ تعالیٰ کی رحمت و محبت عروج پر ہوتی ہے۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وآلہٖ وسلم کا ارشاد ہے کہ یہ ایسا بابرکت مہینا ہے کہ اس کا اوّل حصّہ (یعنی پہلے دس دن) اللہ کی رحمت ہے۔ اس کا درمیانی حصّہ گناہوں سے معافی ہے۔ اور آخری حصّہ (جہنم کی) آگ سے آزادی ہے۔ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ بھی فرمایا کہ روزہ داروں کو چاہیے کہ وہ بڑی کثرت سے کلمۂ طیبہ پڑھا کریں اور اللہ تعالیٰ سے اپنے گناہوں کی معافی مانگا کریں۔

حدیث میں آیا ہے کہ اللہ تعالیٰ اور اُس کے فرشتے (اللہ کے حکم سے) سحری کھانے والوں پر رحمت نازل کرتے اور اُن کو دُعا دیتے ہیں۔ جب کبھی حضور صلی اللہ علیہ وسلم کسی صحابی کو سحری کھانے کی دعوت دیتے تو ارشاد فرماتے "آؤ، برکت کا کھانا کھالو۔"

حضور صلی اللہ علیہ وسلم روزہ کھولنے کے وقت یہ دُعا مانگا کرتے تھے "اے اللہ! تیرے ہی لیے روزہ رکھا۔ تجھی پر میرا ایمان ہے۔ تیرے ہی وعدے پر میرا پورا بھروسا ہے۔ اور میں تیرے ہی رزق میں سے کھا کر روزہ افطار کرتا ہوں۔"

رمضان کی سب سے بڑی فضیلت اور خوبی یہ ہے کہ اسی مبارک مہینے میں قرآنِ مجید نازل ہونا شروع ہوا تھا۔ آپ جس قدر ممکن ہو سکے اللہ کی پاک کتاب کو اس برکتوں والے مہینے میں پڑھیں۔ ہماری دُعا ہے کہ اللہ تعالیٰ آپ کو قرآن سمجھنے کا علم عطا فرمائے۔ اُٹھتے بیٹھتے یہ دُعا مانگا کیجیے: اے رب! میرے علم کو بڑھا۔ اپنے پیارے وطن کی سلامتی کے لیے بھی دُعا مانگیے اور اللہ تعالیٰ سے درخواست کیجیے کہ وہ ہمیں دشمنوں کے شر سے محفوظ رکھے۔ آمین! (شیر محمد)

انسائیکلو پیڈیا

چھاپا خانہ

چھپائی کی مشین کی ایجاد سے پہلے کتابیں ہاتھ سے لکھی جاتی تھیں۔ بادشاہوں اور امیروں کے درباروں میں خوش نویس مُلازم تھے، جو اعلیٰ درجے کے کاغذ پر قیمتی روشنائی سے شاعروں اور ادیبوں کے مُسوّدے کتابت کرتے تھے۔ ایک خوش نویس ایک کتاب مہینوں، اور بعض اوقات کئی سال میں مکمل کرتا تھا۔ یہ کتابیں صرف بادشاہ اور امیر لوگ ہی پڑھتے تھے۔ عوام کی اُن تک رسائی نہ تھی۔ چھپائی کی مشین کی ایجاد کے بعد کتابیں سستی ہوگئیں اور عام لوگ بھی اُن سے فائدہ اُٹھانے لگے۔

آج سے ۵۰۰، ۲ سال پہلے چینیوں نے چھپائی کا ایک طریقہ ایجاد کیا تھا۔ وہ لکڑی کے ہموار تختوں پر، تیز چاقو سے، اُبھرے ہوئے حرف یا ڈیزائن بناتے تھے۔ اِن اُبھرے ہوئے حروف پر سیاہی لگائی جاتی۔ پھر اِن کے اُوپر کاغذ رکھ کر اُسے دبایا جاتا تو وُہ کاغذ پر چھپ جاتے۔ لیکن چھپائی کا یہ طریقہ بہت مُشکل تھا اور اِس میں وقت بھی بہت لگتا تھا۔

پھر آج سے تقریباً پانچ سو برس قبل ایک جرمن کاری گر، جوہان گوٹن برگ، نے چھپائی کی ایک مشین بنائی۔ اُس نے لکڑی کے پُورے تختے پر حروف کھودنے کے بجائے لکڑی کے چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں پر الگ الگ حروف کھودے۔ انھیں ٹائپ کہتے ہیں۔ اس ٹائپ کو ترتیب سے جوڑ کر لفظ اور جُملے بنائے جاتے تھے۔ پھر اُن کا صفحہ بنا کر مشین میں رکھا جاتا۔ اِس کے بعد اُس پر سیاہی لگائی جاتی اور اُس کے اُوپر کاغذ رکھ کر مشین سے دباؤ ڈالا جاتا۔ اس طرح حروف کاغذ پر چھپ جاتے۔ جب چھپائی مکمل ہو جاتی تو حروف علیحدہ کر لیے جاتے تاکہ انھیں دوبارہ استعمال کیا جا سکے۔

دُنیا کی یہ پہلی پرنٹنگ مشین لکڑی کی تھی۔ اِس مشین سے چھپائی میں پہلے کی نسبت سہولت تو ہوگئی لیکن اب بھی سارا کام ہاتھ سے کرنا پڑتا تھا، اِس لیے کام کی رفتار بہت سُست تھی۔ جب ایک کاغذ چھپ جاتا تو اُسے ہٹا کر ٹائپ پر دوبارہ سیاہی لگائی جاتی اور پھر مشین کا ہینڈل دبا کر کاغذ کو چھاپا جاتا۔ اِس طرح ایک گھنٹے میں مُشکل سے دس بارہ صفحے چھپتے تھے۔ گوٹن برگ نے اِس مشین پر سب سے پہلے بائبل چھاپی تھی۔

اِسی زمانے میں انگلینڈ کا ایک شخص، وِلیم کیکسٹن، جرمنی گیا اور

ولیم کیکسٹن

وہاں سے چھپائی کا فن سیکھا۔ 1471ء میں وہ واپس انگلینڈ آیا اور لندن کے قریب ویسٹ منسٹر کے قصبے میں چھاپا خانہ قائم کیا۔ گوٹن برگ کی مشین میں لکڑی کا ٹائپ تھا۔ کیکسٹن نے لوہے کا ٹائپ بنایا اور مشین میں بھی نئے کل پُرزے لگائے۔ یہ انگلینڈ کا پہلا چھاپا خانہ (پرنٹنگ پریس) تھا۔ پُورے مُلک میں اِس کی دُھوم مچی ہُوئی تھی۔ دُور دُور سے لوگ اسے دیکھنے آتے تھے۔ یہاں تک کہ انگلینڈ کا بادشاہ ایڈورڈ چہارم بھی، اپنے وزیروں کے ساتھ، یہ عجیب و غریب کارخانہ دیکھنے آیا۔

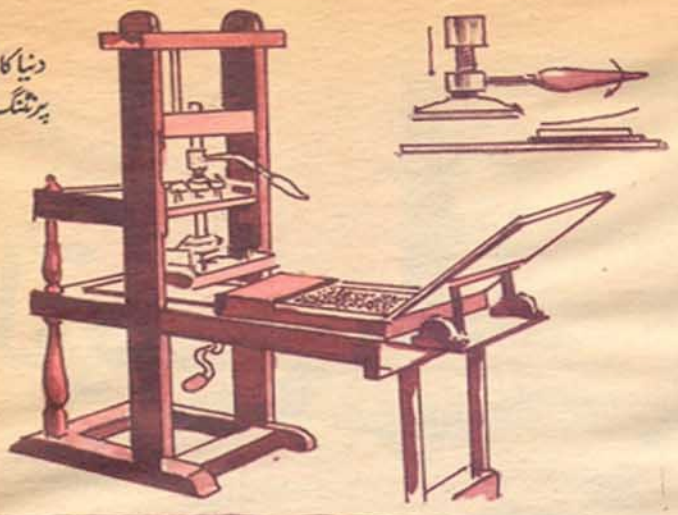

دنیا کا پہلا پرنٹنگ پریس

اُنھوں نے مشین میں کاغذ چھپتے دیکھے تو حیرت سے دانتوں میں اُنگلیاں دبالیں۔ اِس سے پہلے چھاپے کی مشین پر صرف قانونی اور مذہبی کتابیں چھپتی تھیں۔ کیکسٹن نے انگریزی زبان کے مشہور ادیبوں کی کتابیں بھی چھاپیں۔

گزشتہ پانچ سو برسوں میں چھپائی کے فن نے بہت ترقی کی ہے۔ اب ٹائپ کو ہاتھ سے سیٹ نہیں کیا جاتا۔ اب یہ کام بجلی سے چلنے والی مشینیں کرتی ہیں اور ایک گھنٹے میں ہزاروں کتابیں اور اخبار چھاپ دیتی ہیں۔

موجودہ زمانے میں چھپائی کے تین بڑے طریقے ہیں: لیٹر پریس، فوٹولیتھوگرافی اور گریویور (GRAVURE)۔ لیٹر پریس میں ایسی پلیٹیں استعمال کی جاتی ہیں جن کی سطح اُبھری ہوئی ہوتی ہے۔ فوٹولیتھوگرافی کی پلیٹوں کی سطح سپاٹ یا ہموار ہوتی ہے۔ انھیں فوٹوگرافی کے طریقے سے تیار کیا جاتا ہے۔ گریویور چھپائی کے طریقے میں ایسی پلیٹیں استعمال ہوتی ہیں جن کی سطح کھدی ہوئی ہوتی ہے۔ لیکن یہ طریقہ بہت مہنگا ہے اور اِس سے صرف کرنسی نوٹ اور ڈاک ٹکٹ وغیرہ ہی چھاپے جاتے ہیں۔

آج کل بڑے چھاپے خانوں میں دو قسم کی مشینیں استعمال ہوتی ہیں، ایک شیٹ فیڈ (SHEET-FED) اور دوسری ویب فیڈ (WEB-FED)۔ شیٹ فیڈ مشین میں کاغذ کے سنگل شیٹ رکھے جاتے ہیں اور مشین اُنھیں اُٹھا اُٹھا کر چھاپتی چلی جاتی ہے۔ ویب شیٹ میں کاغذ کا بڑا سا رول (یا ریل) لگا دیا جاتا ہے۔ مشین رول پر چھپائی کرنے کے بعد اُسے، سائز کے مطابق، کاٹ کاٹ کر باہر نکالتی جاتی ہے۔

یہ دونوں مشینیں کاغذ کے ایک طرف یا دونوں طرف ایک ساتھ چار رنگ تک چھاپ سکتی ہیں۔ اِن میں، تھوڑے تھوڑے فاصلے پر، چار پلیٹیں لگی ہوتی ہیں۔ ہر پلیٹ کے اُوپر ایک رولر گھوم رہا ہوتا ہے۔ رولر کے اُوپر ایک نلکی ہوتی ہے جس میں رنگ بھرا ہوتا ہے۔ اِس نلکی کو INK DUCT کہتے ہیں۔ نلکی میں سے رنگ نکل کر رولر پر آتا ہے اور رولر یہ رنگ پلیٹ پر لگاتا ہے۔ جب کاغذ پر ایک رنگ چھپ جاتا ہے تو وہ آگے بڑھ کر دُوسری پلیٹ پر چلا جاتا ہے، اور اِس طرح ایک ایک کر کے چاروں رنگ چھپ جاتے ہیں۔ (س۔ل)

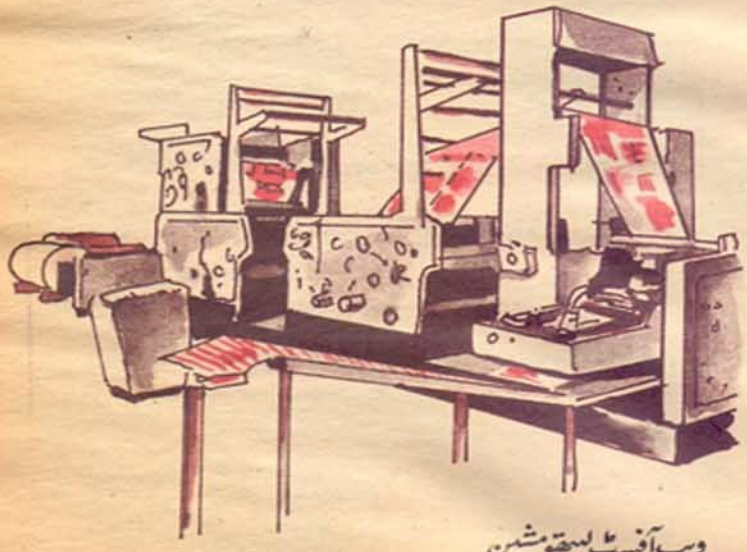

ویب آفسٹ لیتھو مشین

انجم ناز

لوبہ

"عائشہ، تمھارے کتنے نمبر ہیں ؟" رافیہ نے گردن موڑ کر پوچھا۔

عائشہ نے جلدی سے اپنا پیپر بیگ میں ٹھونس لیا اور مس کی طرف دیکھنے لگی جو بلیک بورڈ پر لکھ رہی تھیں۔ رافیہ کے ماتھے پر شکنیں پڑ گئیں۔ اُس نے غصّے سے عائشہ کی طرف دیکھا اور دوبارہ اپنی کاپی پر جُھک گئی۔

رافیہ کو تھوڑے ہی دِن ہُوئے تھے اِس سکُول میں آئے ہُوئے۔ پہلے وہ اِسلام آباد میں رہتی تھی۔ لیکن اِس کے ابّو کا تبادلہ لاہور ہونے کی وجہ سے اُن سب کو لاہور آنا پڑا۔ پُرانا سکول چھوڑتے ہُوئے اُس کی آنکھوں میں آنسو آ گئے تھے۔ اُس کی سب سہیلیاں بہُت اچھی تھیں۔ شمائلہ، قیصرہ، فرزانہ، نورین، سب اُسے بہُت یاد آتی تھیں۔ کُچھ دِن تو اُسے کلاس میں ایڈجسٹ ہونے میں لگ گئے۔ رُومانہ اُس کی دوست بن گئی تھی۔ وہ اُس کے ساتھ والی سیٹ پر بیٹھتی تھی۔

"رُومانہ، ہماری کلاس میں فسٹ کون آتا ہے ؟" رافیہ نے پُوچھا۔

"عائشہ" رُومانہ ناک چڑھا کر بولی۔

"ارے ! کیا ہُوا ؟ کیا لڑائی ہو گئی ہے اُس سے ؟" رافیہ ہنس کر بولی۔

"میں کیوں کروں گی لڑائی، وہ خُود ہی سب سے لڑتی رہتی ہے۔ پتا نہیں کیا سمجھتی ہے اپنے آپ کو۔"

"اوہ ! تو تُم جلتی ہو اُس سے" رافیہ بدستور مُسکراتے ہُوئے بولی۔

"ہُوں ! جلے میری جُوتی۔"

"تو پھر بات کیا ہے ؟" رافیہ نے پُوچھا۔

"بات کیا ہونی ہے۔ بس لائق ہے۔ اِسی لیے کسی کو خاطر میں نہیں لاتی۔ نہ تو کسی سے بات کرتی ہے اور نہ کسی کی پڑھائی میں مدد کرتی ہے۔ فرح ہے ناں ۔ ۔ ۔ ۔"

"کون فرح ؟"

"وہی جو اُس کے ساتھ بیٹھتی ہے۔ صرف وہ اُس کی سہیلی ہے۔ کیوں کہ وہ سیکنڈ آتی ہے۔ اور جب کبھی ٹسٹ یا امتحان ہو تو کبھی اپنے نمبر نہیں بتاتی۔"

"وہ کیوں ؟"

"تاکہ ہم اور کوشش نہ کریں۔ وہ نہیں چاہتی کہ ہم اُس کے برابر نمبر لے سکیں۔"

"یہ تو بہُت بُری بات ہے۔"

"ہاں۔ لیکن اُس کے لیے نہیں ہے۔ ذہانت تو خُدا کی دین ہے وہ چاہتا تو اُسے کُند ذہن بھی بنا سکتا تھا۔ پھر وہ کیا کرتی ؟ خُدا کی دین پر فخر کرنا چاہیے، غرُور نہیں۔ کیوں کہ غرُور خُدا کو پسند نہیں ہے۔" رُومانہ بولی۔

"ہاں، رُومانہ۔ تُم ٹھیک کہتی ہو۔ ہمیں خُدا کا شُکر ادا کرنا چاہیے اور دُوسروں کو اپنے سے کم تر نہیں سمجھنا چاہیے۔ ہمارے پُرانے سکول میں شاہدہ سب سے لائق تھی۔ لیکن وہ ایسی نہیں تھی۔ جس

پیریڈ میں ٹیچر نہ آتیں تو لڑکیاں اپنی کتابیں اور کاپیاں لے کر اُس کے پاس پہنچ جاتیں اور جو پوچھتیں، اُنھیں سمجھا دیتی۔ مجھے اب بھی وُہ بہت یاد آتی ہے۔" رافیہ اُسے یاد کر کے ایک دم اُداس ہو گئی۔

"اچھے لوگ ہمیشہ ہمارے دلوں میں رہتے ہیں" رُومانہ بولی۔

آہستہ آہستہ رافیہ کو بھی عائشہ کی عادتوں کی وجہ سے اُس سے نفرت ہونے لگی۔ اُس دِن جب رافیہ نے اُس سے ٹسٹ کے نمبر پُوچھے تھے تو عائشہ نے جلدی سے پیپر بیگ میں رکھ لیا تھا۔ اِس کے بعد اُس نے دِل میں عہد کر لیا کہ آیندہ وہ کبھی عائشہ سے بات نہیں کرے گی۔ پڑھائی میں وہ کمزور نہیں تھی۔ گھر میں اُبّو سے پڑھتی اور اسکول میں بھی وقت ضائع کرنے کی بجائے وہ اور رُومانہ بیٹھ کر پڑھا کرتیں۔ آہستہ آہستہ اُن دونوں نے بھی زیادہ نمبر لینا شروع کر دیے۔ عائشہ دِل ہی دِل میں اُن سے جلتی تھی۔ اکثر لڑکیاں اب رافیہ کے ساتھ رہتیں اور اُس سے مدد لیا کرتیں۔

اب کلاس میں رافیہ اور عائشہ میں سخت مقابلہ تھا۔ دونوں زیادہ سے زیادہ نمبر لینے کی کوشش کرتیں۔ جب اِنسان دِل لگا کر محنت کرے تو اُسے محنت کا پھل ضرور ملتا ہے۔ دسمبر میں دسویں کے امتحان ہوئے تو رافیہ سیکنڈ آئی۔ جب رزلٹ نِکلا تو عائشہ مُنھ بنا کر بولی:

"ہُوں! مجھے پتا ہے کیسے سیکنڈ آئی ہے۔ بورڈ کے اِمتحانوں میں پتا چلے گا کہ کتنے پانی میں ہے۔"

امتحانوں میں ایک ماہ باقی تھا۔ اسکول کی طرف سے لڑکیوں کو فارغ کر دیا گیا تاکہ وہ گھر پر تیاری کر سکیں۔ رافیہ اسلام آباد اپنی آنٹی کے پاس چلی گئی جو وہاں ایک کالج میں پروفیسر تھیں۔

وقت گزرتے دیر نہیں لگتی۔ امتحان کی تاریخ آن پہنچی۔ امتحان سے دو دِن پہلے رافیہ لاہور آ گئی۔ جس دِن پہلا پیپر تھا، اُس کا دِل بُری طرح دھڑک رہا تھا۔ سپرنٹنڈنٹ نے سب لڑکیوں کو اندر بُلا لیا۔ پیپر دیے گئے تو رافیہ کا دِل خوشی سے جھوم اُٹھا۔ سارے سوال اُسے آتے تھے۔ اُس کی سمجھ میں نہیں آ رہا تھا کہ کون سا کرے اور کون سا چھوڑے۔ آخر اُس نے قلم نکالا اور لکھنا شروع کر دیا۔

"پلیز! آپ حاضری لگا دیجیے" نگران خاتون نے حاضری کا کاغذ رافیہ کے سامنے رکھ دیا۔ اُس نے کاغذ پکڑا اور سائن کر دیے ——

اچانک اُس کی نظر عائشہ کے رول نمبر کے سامنے پڑی۔ اُس کا خانہ خالی تھا۔ ارے! عائشہ نے سائن کیوں نہیں کیے۔ رافیہ نے گردن گھما کر پُوری کلاس پر نظر دوڑائی۔ عائشہ کیوں نہیں آئی؟ عائشہ کیوں نہیں آئی؟ وُہ سوچنے لگی۔

"آپ اپنا پیپر کریں۔ ٹائم کم ہے" نگرانی کرنے والی خاتون نے اُس کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر کہا۔

"اوہ! مُعاف کیجیے" وہ جلدی سے پیپر پر جُھک گئی۔

چُھٹی کے وقت تمام لڑکیاں یہی کہہ رہی تھیں کہ عائشہ کیوں نہیں آئی۔ کسی کو بھی پتا نہیں تھا اور نہ کسی نے اُس کے گھر جا کر پتا کرنے کی کوشش کی۔

خُدا خُدا کر کے پیپر ختم ہُوئے۔ رافیہ کے تمام پرچے بہت اچھے ہُوئے تھے۔ بس اب اُسے رزلٹ کا انتظار تھا۔ اُسے یقین تھا کہ اُس کی محنت کا پھل اُسے ضرور مِلے گا۔

پرچے ختم ہُوئے ایک ہفتہ ہو چُکا تھا کہ اچانک رافیہ کو عائشہ کا خیال آیا۔ اب تک اُس کے متعلق اُسے کچھ معلوم نہیں تھا۔ فریحہ کا گھر قریب ہی تھا۔ شاید اُسے عائشہ کے گھر کا پتا معلوم ہو۔ رافیہ نے یہ سوچ کر چھوٹے بھائی عُمیر کو ساتھ لیا اور فریحہ کے گھر گئی۔ لیکن وہ کسی طرح عائشہ کے گھر جانے کو تیار نہ تھی۔

"آخر وہ ہماری کلاس فیلو تھی۔ ہمیں پتا تو کرنا چاہیے" رافیہ نے کہا۔

"مجھے کوئی شوق نہیں۔ وہ میری سہیلی نہیں ہے۔ بلکہ وہ تو کسی کی بھی سہیلی نہیں ہے۔ مجھے کیا پڑی ہے کہ میں اُس کی فکر کرتی پھروں؟"

فرینہ نے رُکھائی سے جواب دیا۔

"پلیز فرینہ — کچھ بھی ہو۔ ہمارا فرض بنتا ہے۔"

"اور اُسے اپنا فرض کبھی یاد نہیں آیا؟ اچھا ہے اُس نے پیپر نہیں دیے۔ بڑا غرور کرتی تھی اپنی لیاقت پر۔ اب مزا آئے گا جب ہم آگے ہوں گے اور وہ پیچھے" فرینہ غصّے سے بولی۔

"بُری بات ہے، فرینہ۔ ہمارے مذہب نے تو ہمیں یہ سکھایا ہے کہ کسی انسان کی تکلیف پر خوش نہیں ہونا چاہیے۔ ہو سکتا ہے وہ بیمار ہو۔ ہمارا فرض ہے کہ اس کی عیادت کریں۔"

"اِسلام نے صرف ہمیں ہی سکھایا ہے کیا؟ عائشہ مسلمان نہیں ہے؟ اُسے اسلام نے یہ نہیں سکھایا کہ آپس میں ہل جُل کر رہا کرو؟ ایک دُوسرے کی مدد کیا کرو؟ غرور نہ کرو؟"

"میں مانتی ہُوں اُس کی غلطی ہے۔ لیکن معاف کرنا وہ بھی تو ایک انسان ہے۔ ہمارے حضور پاکؐ نے تو اپنے بڑے بڑے دُشمنوں کو بھی مُعاف کر دیا تھا۔ عائشہ تو پھر ایک عام انسان ہے۔ غلطیاں انسانوں سے ہی ہوتی ہیں۔ میری اچھی بہن، چلو میرے ساتھ۔"

آخر رافیہ کے بار بار اصرار کرنے پر فرینہ تیار ہو گئی اور دونوں عائشہ کے گھر پہنچیں۔ دستک دینے پر عائشہ کی امّی نے دروازہ کھولا۔

"السلامُ علیکُم" اُنھوں نے سلام کیا۔

"وعلیکُم السّلام۔"

"آنٹی، عائشہ ہے؟ ہم اُس کی دوست ہیں۔"

"اندر آجاؤ۔" وہ انھیں اندر لے گئیں۔

"آنٹی، عائشہ نے پرچے کیوں نہیں دیے؟" رافیہ نے پُوچھا۔

عائشہ کی امّی کچھ دیر خاموش رہیں۔ پھر دو آنسو اُن کی آنکھوں سے ٹپک پڑے "بیٹی، عائشہ کا ایکسیڈنٹ ہو گیا تھا۔"

"کیسے؟" رافیہ اور فرینہ ایک ساتھ بولیں۔

"وہ امتحانوں کے سلسلے میں اپنے بھائی آصف کے ساتھ کسی پروفیسر کے پاس جا رہی تھی۔ پتا نہیں کیسے موٹر سائیکل بے قابو ہو کر ایک کار سے ٹکرا گئی۔ آصف تو بچ گیا لیکن عائشہ کے سر پر سخت چوٹ آئی اور وہ بے ہوش ہو گئی۔ اُسے ہسپتال میں داخل کروا دیا گیا۔ چوٹ دماغ پر لگی تھی۔ وہ ڈیڑھ ماہ ہسپتال میں رہی۔"

"اب کیسی ہے؟" رافیہ نے پُوچھا۔

"دُعا کرو، جلد اچھی ہو جائے۔ اب وہ ٹھہر ٹھہر کر بولنے لگی ہے۔"

"آنٹی، ڈاکٹر کیا کہتے ہیں؟"

"کہتے ہیں، برسوں کا علاج ہے۔"

"وہ کہاں ہے؟"

"اندر کمرے میں۔ آؤ۔ تمھیں دیکھ کر ضرور خوش ہو گی۔ جب سے بیمار ہُوئی ہے، کوئی سہیلی ملنے نہیں آئی۔ روز پُوچھتی ہے۔"

رافیہ اور فرینہ کمرے میں داخل ہُوئیں۔ عائشہ آنکھیں بند کیے لیٹی تھی۔ اُس کی امّی بولیں "عائشہ بیٹی! تمھاری دوست آئی ہیں۔"

عائشہ نے آہستہ آہستہ آنکھیں کھولیں۔ رافیہ اور فرینہ کو دیکھ کر اُس کی آنکھوں میں حیرت اُبھر آئی۔ وہ اُٹھنے کی کوشش کرنے لگی۔ امّی نے سہارا دے کر بٹھایا۔

"تم بیٹھو، بیٹا۔ میں چائے لاتی ہُوں" عائشہ کی امّی باہر چلی گئیں۔

"کیسی ہو، عائشہ؟" رافیہ پیار سے بولی۔ عائشہ کی آنکھوں سے آنسو بہنے لگے۔

"کیا ہُوا؟" رافیہ پریشان ہو کر بولیں۔

"مم — مجھے — معاف — کر دو — خُدا نے — مجھے میرے غرور کی — سزا دی — ہے" عائشہ اٹک اٹک کر بولی۔

رافیہ مُسکرا کر بولی "ہم تو تم سے ملنے آئے ہیں اور تم رونے لگیں۔ اچھا اِستقبال کیا ہمارا!"

"میں — بہت — بُری ہُوں — اسی لیے — مجھ — سے کوئی — ملنے — نہیں — آیا — مجھے — معاف — کر دو۔"

رافیہ نے پیار سے اُسے گلے لگا لیا "تم بہت جلد ٹھیک ہو جاؤ گی۔"

"تم نے — معاف — کر دیا — نا؟"

"ہاں، عائشہ — خُدا توبہ کرنے والوں کے گناہ معاف کر دیتا ہے۔ مجھے خُوشی ہے کہ آج مجھے میری بہترین دوست مل گئی ہے۔ اب جلدی سے ٹھیک ہو جاؤ — ہاں۔"

"سچ — را — فیہ — تم — تم میری — دوست ہو؟" عائشہ کی آنکھیں خُوشی سے چمکنے لگیں۔

"ہاں، عائشہ — میں ہی نہیں ہم سب تمھاری دوست ہیں" رافیہ مُسکرائی تو فرینہ نے بھی مُسکرا کر دوستی کا ہاتھ بڑھا دیا جسے عائشہ نے کانپتے ہاتھوں سے تھام لیا۔

چچا بھلکڑ

ذکیہ بلگرامی

"کھٹ، کھٹ، کھٹ۔"

دروازے پر مخصوص آواز گونج رہی تھی۔ سب بچے ایک ساتھ چلّائے:

"چچا بھلکڑ آ گئے! چچا بھلکڑ آ گئے!"

گیٹ پر گھنٹی لگی تھی۔ مگر گھنٹی بجانے کی زحمت چچا بھلکڑ نے کبھی نہ کی تھی۔ وہ آتے اور مخصوص انداز میں دروازہ کھٹ کھٹاتے۔ یہی اُن کی عادت تھی۔

بچّوں نے بھاگ کر دروازہ کھولا۔ چچا بھلکڑ کی وُہی بے ڈھنگی چال۔ سر دائیں بائیں گھومتا ہُوا۔ خُود بھی لہراتے ہُوئے۔ آئے اور آتے ہی سامنے پڑی کُرسی پر ڈھیر ہو گئے۔ نہ سلام نہ دُعا۔ امّی اندر سے نِکل کر آئیں۔

"ارے! شاد علی۔ تم کب آئے؟" امّی اُن کا پُورا نام لیتی تھیں۔

"ابھی آیا ہُوں، بھابی" اُنھوں نے پیلے پیلے دانت نِکال دیے۔

اِتنے میں صفدر کی نظر اُن کے پاؤں پر پڑی:

"ارے! چچا جی یہ کیا؟"

اب امّی نے بھی اُن کے پاؤں کی طرف دیکھا۔ چچا کے ایک پاؤں میں چپّل تھی اور دُوسرے پاؤں میں گھِسا ہُوا جُوتا۔

"شاد علی! یہ کیا؟" امّی نے بھی حیرت سے کہا۔

"اُوہو! بھُول گیا، بھابی۔ بالکل بھُول گیا۔ ایک چپّل اُتاری، جُوتا پہنا۔ دُوسری اُتارنا بھُول گیا۔"

"بھئی، حد ہو گئی، شاد علی! اپنی بھُولنے کی عادت دُرست کرو۔ یہ بچّے تُمھیں اِسی لیے چچا بھلکڑ کہتے ہیں۔"

اب چچا بھلکڑ ہیں کہ آرام سے دانت نِکالے ہنس رہے ہیں۔ اُنھیں اپنے اِس خطاب پر بھی کوئی اِعتراض نہ تھا۔ وہ سب جانتے تھے۔ اِس گھر کے خلُوص اور محبّت سے بھی واقف تھے۔ بچّے اُنھیں بہر حال پسند کرتے تھے اور خاطر مُدارات میں بھی کوئی کسر نہ اُٹھا رکھتے۔ شاد علی ان بچّوں کے سگے چچا نہ تھے۔ بس رشتے داری تھی۔ مگر بچّوں کی امّی اُن کا بہت خیال کرتی تھیں۔ یہی وجہ تھی کہ شاد علی اکثر چلے آتے تھے۔

آج امّی نے گاجر کا مزے دار حلوا بنایا تھا۔ اُنھوں نے شاکرہ سے کہا "جاؤ، بیٹی۔ اپنے چچا کے لیے گاجر کا حلوا لاؤ، سلیقے سے۔"

شاکرہ بھاگ کر گئی۔ ملیحہ نے چائے کا پانی چُولھے پر رکھا۔ چائے

تیار ہوئی۔ حلوا پلیٹ میں نکالا گیا۔ ٹرے کو سلیقے سے سجایا گیا۔ صفدر نے چھوٹی میز چچا بھلکڑ کے پاس لاکر رکھی۔ ملیحہ ٹرے لے آئی۔ "لیجیے جناب۔ چچا بھلکڑ کی خاطر شروع ہوگئی۔ اب وہ مزے لے لے کر حلوا کھا رہے ہیں اور دُنیا جہان کی باتیں بھی کر رہے ہیں۔ تھوڑی دیر بعد چچا بھلکڑ چلے گئے مگر اپنا تھیلا بھول گئے۔ ہوسکتا ہے اُس میں کوئی ضروری سامان ہو۔ مگر بھولنے کی عادت جو ٹھہری۔

اُن کے جانے کے بعد صفدر نے کہا "امّی، چچا بھی عجیب ہیں۔ سب کچھ بھول جاتے ہیں۔ پھر صفائی کا بھی اُنھیں کچھ خیال نہیں۔ آپ اُن کے لیے اِتنا اِہتمام کیوں کرتی ہیں؟"

"بیٹا، وہ تمھارے چچا ہیں۔ رشتے ہی کے سہی۔ اُن کی عزت کرنا تمھارا فرض ہے۔ اور پھر سلیقہ اگر اُن میں نہیں تو کیا ہم بھی بے سلیقہ بن جائیں؟ نہیں، بیٹا۔ یاد رکھو! اگر زندگی میں تم عزت چاہتے ہو تو دوسروں کی عزت کرو۔ اگر محبت کی طلب ہے تو دوسروں سے محبت کرو۔ غرض وہ سب کچھ جو تم اپنے لیے چاہتے ہو، پہلے دوسروں کو دو۔"

صفدر، شاکرہ اور ملیحہ ابھی کم عمر تھے۔ اُنھوں نے امّی کی باتوں کو غور سے سُنا۔ وہ ہمیشہ اچھی باتیں بتاتی تھیں۔

چچا بھلکڑ جوان آدمی تھے۔ ماں باپ فوت ہو چکے تھے۔ ایک کمرے کے گھر میں تنہا رہتے تھے۔ معمولی سی نوکری تھی۔ دراصل حالات نے اُن کا ساتھ نہ دیا۔ پڑھائی ادھوری رہ گئی۔ سُنا تھا ایف۔ اے کے اِمتحان میں ایک پرچہ دینا بھول گئے تھے۔ اِس لیے فیل ہوگئے۔ پھر دل برداشتہ ہوکر پڑھائی ترک کردی اور ایک دفتر میں نوکری کرلی۔ یوں زندگی کے دِن گزر رہے تھے۔

ایک روز کیا دیکھتے ہیں کہ رات کو چچا بھلکڑ چلے آرہے ہیں۔ ہاتھ میں لال ٹین تھام رکھی تھی۔ حسبِ معمول بچّے اُن کے پاس آگئے۔

"آہا! آج تو چچا لال ٹین لائے ہیں۔"

"ارے، میاں، یہ لال ٹین کس لیے؟" ابّا نے تعجّب سے پُوچھا۔

"بھائی جان، دراصل مجھے رات کو ٹھیک سے نظر نہیں آتا، اِس لیے لال ٹین ساتھ لے آیا۔"

"یہ اچھا کیا کہ لال ٹین لے کر نکلے۔ مگر میاں تم نے کچھ علاج کروایا ہوتا۔" چچا بھلکڑ خاموش ہوگئے۔ وہ دوا اور علاج کے قائل نہ تھے۔

صفدر نے چچا سے کہا "چچا جان، آپ ٹارچ کیوں نہیں رکھتے؟"

چچا بھلکڑ ہنس پڑے۔ بولے "بس یہی لال ٹین ٹھیک ہے۔ بجلی چلی جاتی ہے تو لال ٹین جلا لیتا ہُوں۔ آج بھی بجلی نہ تھی۔ لال ٹین جل رہی تھی۔ وُہی ساتھ لے آیا۔"

"ٹھیک ہے۔ لال ٹین اچھی چیز ہے" امّی نے بات ختم کی۔

چچا بھلکڑ کو بچّوں نے زبردستی کھانے پر روک لیا۔ اُنھوں نے خُوش ہوکر رات کا کھانا کھایا اور چلے گئے مگر اپنی لال ٹین بھول گئے۔ اِس پر امّی اور ابّو کو بھی ہنسی آگئی۔

امّی کو چچا کی تنہا زندگی پر ترس آتا تھا۔ چُناں چہ اُنھوں نے اُن کی شادی کرانے کا بیڑا اُٹھایا۔ چچا کسی طور پر راضی نہ تھے۔ مگر انھیں راضی ہونا پڑا اور امّی نے اُن کے لیے دُلہن ڈھونڈ نکالی۔ بچّوں کو ایک مشغلہ ہاتھ آگیا۔ اُنھوں نے کہا:

"چچا، آپ بارات لے جانا نہ بھول جائیے گا۔"

امّی نے انھیں ڈانٹا "مت تنگ کرو بے چارے کو۔ بھلا کوئی بارات بھی بھول سکتا ہے؟"

چچا بھلکڑ اُن دِنوں بہت خُوش تھے۔ امّی نے ہی شادی کا سب اِنتظام کیا تھا۔ آخر خیریت سے شادی ہوگئی اور چچا بھلکڑ کا گھر بس گیا۔ وُہ اپنے گھر میں خُوش تھے۔ اُن کے بھولنے کی عادت کے مُتعلق اُن کی بیوی کو بتا دیا گیا تھا۔ شادی کے فوراً بعد چچا سُسرال چلے گئے۔ سُسرال میں صرف بُوڑھی ساس تھیں۔ اُنھیں سہارا مِل گیا اور چچا بھلکڑ کو رہنے کے لیے مُفت کا گھر۔ اب امّی کو یہ فکر کہ شادعلی اور اُن کی دُلھن کی دعوت کرنی چاہیے۔ چُناں چہ جُمعے کو دعوت دے دی گئی۔ چچا بھلکڑ کو تاکید کی گئی کہ ساس کو بھی ساتھ لائیں اور دُلھن اچھا جوڑا پہن کر آئیں۔ کچھ اور لوگوں کو بھی امّی نے بُلایا۔ اُنھوں نے دعوت کا اِنتظام بہت اعلیٰ کیا تھا۔ کیوں کہ اِس گھر کے علاوہ اُنھیں پُوچھنے والا کوئی اور نہ تھا۔

رات ہوگئی تھی اور ابھی تک چچا نہ آئے تھے۔ دُوسرے لوگ آچکے تھے۔ ایک بچّے نے بے چینی سے کہا "امّی، کہیں چچا بھول نہ گئے ہوں۔"

"ارے نہیں۔ اب ایسے بھی بھلکڑ نہیں ہیں" امّی نے ہنس کر کہا دراصل اُن کا گھر بہت دُور ہے۔ آنے میں وقت لگے گا اور پھر سواری

کی بھی دِقّت ہے غریب کو۔"

ابھی امّی نے یہ بات کہی تھی کہ گیٹ پر مخصوص آواز اُبھری "کھٹ، کھٹ، کھٹ۔"

بچّے بھاگ کر دروازے پر گئے، گیٹ کھولا اور پھر حیرت سے چلّائے "ارے! یہ کیا؟ چچا اکیلے؟"

"دُلھن کہاں ہیں؟ اماں کہاں ہیں؟" امّی نے پُوچھا۔

اب تو چچا بھلکڑ سر پکڑ کر بیٹھ گئے۔ پھر بولے "اُفوہ! اُنھیں تو میں گھر بھول آیا۔"

"کیا مطلب؟" امّی کچھ نہ سمجھیں۔

"وہ تیار بیٹھی تھیں۔ میں ٹیکسی لینے گھر سے نِکلا۔ ٹیکسی لی، خود بیٹھا اور یہاں آگیا۔"

"بھئی، آج تو تم نے حد ہی کر دی، شاد علی! اب وہ کیسے آئیں گی؟ اِتنا وقت بھی نہیں کہ تم دوبارہ جاؤ اور اُنھیں لے کر آؤ۔"

چچا بھلکڑ سر جُھکائے شرمندہ شرمندہ بیٹھے تھے۔ آج کی بھُول شاید اُن کے لیے بھی تکلیف دِہ تھی۔ کتنے چاؤ سے بھابی نے دعوت کا اِنتظام کیا تھا۔ مگر اب کیا ہو سکتا تھا۔ سارے مہمان دم بخُود۔ امّی پریشان۔ بچّے مایُوس اور چچا بھلکڑ شرمندہ۔ پُورا ماحول افسُردہ تھا۔ کسی کی سمجھ میں کچھ نہ آرہا تھا۔

"اب کچھ نہیں ہو سکتا۔ اِتنی دُور کا فاصلہ ہے۔ شاد علی کو کھانا کھلا دو۔ مہمان بھی دیر سے بیٹھے ہیں" ابّا جان نے کہا۔

بے دلی کے ساتھ امّی اُٹھ کر گئیں۔ کھانا نکالا جانے لگا۔ کھانا لگ گیا تو امّی نے مہمانوں سے کہا "تشریف لائیے۔" اِتنے میں کال بیل بج اُٹھی۔

"ارے! اب کون آگیا!" امّی نے کہا۔

صفدر نے دروازہ کھولا۔ اور بچّوں نے خُوشی سے نعرہ لگایا:

دُلھن چچی آگئیں۔ دُلھن چچی آگئیں۔

دُلھن اپنی ماں کے ساتھ رکشے میں آئی تھیں۔ وہ سمجھ گئی تھیں کہ شاد علی انھیں بھُول گئے ہیں۔ امّی نے گلے لگا کر دُعائیں دیں۔ چچا کی ساس کو عزّت سے بٹھایا۔ اور پھر سب نے خُوش ہو کر کھانا کھایا۔

سالنامہ تعلیم و تربیت
مئی 1989

■ حیرت انگیز کہانیاں ■ معلوماتی فیچر ■ قہقہوں سے بھرپور کارٹون ■ رس بھری نظمیں

■ دِل چسپ مشغلے ■ فرصت کے کھیل ■ خُوب صُورت رنگین تصویریں

اور ایسا حسین ٹائٹل کہ آپ سال بھر تک دیکھتے رہیں گے۔

آج ہی اپنے اخبار فروش سے کہہ کر
اپنی کاپی محفوظ کرالیں

96 صفحات قیمت 15 روپے

منیجر تعلیم و تربیت
32 شارع بن بادیس لاہور

عجیب کہانی

او۔ہنری

لاہور کی ایک بستی، ٹاؤن شپ، میں قریشیوں کا ایک کنبہ رہتا تھا۔ اِس کنبے میں صرف تین لوگ تھے: انوار احمد قریشی، اُس کی بیوی رضیہ اور اُن دونوں کی پانچ سالہ بچّی، جس کا نام سلمہ تھا۔

ایک دِن صُبح کو سلمہ کے پیٹ میں مروڑ اُٹھا۔ وہ درد سے بے حال ہوگئی۔ انوار احمد قریشی اُس کے لیے دوا لینے میو ہسپتال گیا اور —— پھر کبھی لوٹ کر نہ آیا!

سلمہ کچھ دیر بعد خود ہی ٹھیک ہوگئی۔ پھر دِن گزرتے گئے۔ سلمہ بڑی ہوتی گئی۔ یہاں تک کہ جوان ہوگئی، اور ایک نوجوان، نُور احمد قریشی، کے ساتھ اُس کی شادی ہوگئی۔ اب وہ پانچ سال کی ایک بچّی کی ماں تھی۔ بچّی کا نام تھا رخشی۔

سلمہ اُسی گھر میں رہتی تھی جہاں سے اُس کا باپ، مُدّتوں پہلے، اُس کے لیے دوا لینے گیا تھا، اور اب تک واپس نہ آیا تھا۔

ایک دِن، شام کو، رخشی کے پیٹ میں درد اُٹھا اور وُہ مچھلی کی طرح تڑپنے لگی۔ اِتّفاق دیکھیے یہ وُہی دِن تھا، جس دِن رخشی کا نانا انوار احمد اپنی بیٹی سلمہ کے لیے دوا لینے میو ہسپتال گیا تھا، اور پھر اس طرح غائب ہوگیا تھا جیسے اُسے زمین نگل گئی ہو یا آسمان کھا گیا ہو۔

رخشی کے باپ نُور احمد نے سلمہ سے کہا "میں ہسپتال سے دوا لے کر آتا ہُوں۔ تُم بچّی کا خیال رکھنا۔"

سلمہ گھبرا کر بولی "نہ نہ نہ۔ ابّو کی طرح تُم بھی غائب ہو جاؤ گے اور کبھی واپس نہ آؤ گے۔"

نُور احمد رخشی کے پاس بیٹھ گیا اور دونوں میاں بیوی اُسے تسلّی دینے لگے۔ لیکن چند لمحوں بعد رخشی کی حالت اور بگڑ گئی۔ نُور احمد گھبرا کر دروازے کی طرف بڑھا لیکن بیوی نے اُسے پکڑ لیا اور منّت سماجت کر کے باہر جانے سے باز رکھا۔

اُسی وقت دروازہ کُھلا اور ایک سفید بالوں والا بُوڑھا کمرے میں داخل ہُوا۔ اُس نے جیب سے دوا کی شیشی نِکالی اور تھوڑی سی دوا چمچے میں ڈال کر رخشی کے مُنھ میں ڈال دی۔ کچھ دیر بعد وہ بھلی چنگی ہوگئی۔

یہ بُوڑھا انوار احمد قُریشی تھا، سلمہ کا باپ اور رخشی کا نانا۔ اُس نے پیار سے رخشی کا گال تھپ تھپایا اور بولا "معاف کرنا، بیٹی۔ دراصل بس بہُت دیر سے ہِلی۔"

یہ کہانی (A STRANGE STORY) امریکا کے ایک مشہُور ادیب او۔ہنری نے تقریباً 80 سال پہلے لکھی تھی۔ ہم نے آپ کی سہولت کے لیے آدمیوں اور جگہوں کے نام بدل دیے ہیں۔ او۔ہنری اُس وقت آسٹن شہر میں رہتا تھا۔ معلوم ہوتا ہے اُن دِنوں آسٹن میں ٹرانسپورٹ کی حالت بہُت خراب تھی اور سواری بڑی مُشکل سے ملتی تھی۔ جب ہی تو او۔ہنری نے اس پر بھرپُور طنز کی ہے۔

تعلیم و تربیت پڑھنے والے جو بچّے لاہور، کراچی، پشاور اور راولپنڈی میں رہتے ہیں، وہ اِس کہانی سے خُوب لُطف اُٹھائیں گے کیوں کہ اِن شہروں میں کسی سواری کا وقت پر حاصِل کرنا، جُوئے شِیر (دُودھ کی نہر) لانے سے کم نہیں۔ (س۔ل)

اے حمید

جاسوس کی چیخ

ناگن اُسی جہاز میں تھی۔

دونوں ہائی جیکروں کو گولی مارنے کے بعد وہ غُسل خانے میں چلی گئی تھی۔ غُسل خانے میں جاتے ہی ناگن نے پُراسرار نقاب اُتار دیا۔ نقاب کے اُترتے ہی اُس کی جیکٹ پتلون اور کالا ہیٹ اپنے آپ غائب ہو گئے۔ اب اس کے پاس صرف کالا نقاب ہی رہ گیا تھا۔ ناگن راگنی خود سُنہری بالوں، نیلی آنکھوں والی خوب صُورت لڑکی کے رُوپ میں ہی تھی۔ اس نے جلدی سے کالا نقاب تہ کر کے اپنے لباس کے اندر چُھپایا اور اپنے بالوں میں ہلکی سی کنگھی پھیر کر غُسل خانے سے باہر آ گئی۔ اسے دیکھتے ہی ایئر ہوسٹس نے خُوش ہو کر کہا:

"جہاز اغوا ہونے سے بچ گیا ہے۔ ہم کراچی ایئر پورٹ پر لینڈ کر رہے ہیں۔ ہائی جیکروں کے ایک نقاب پوش ساتھی نے ہی اپنے دو ساتھیوں کو گولی مار دی۔"

دوسری ایئر ہوسٹس نے کہا "لیکن نقاب پوش ہائی جیکر نہیں مل رہا۔ تمام مُسافروں کو الرٹ کر دیا گیا ہے۔"

ناگن نے کہا "وہ یہیں کہیں چُھپا ہُوا ہو گا۔ اُس کو تلاش کرنا چاہیے۔"

ناگن بڑے اطمینان سے دونوں مرنے والے غُنڈوں میں سے ایک کی سیٹ پر بیٹھ گئی۔ جہاز کراچی ایئر پورٹ کے رن وے پر اُتر گیا۔ جہاز کے کپتان نے ایئر پورٹ کے کنٹرول ٹاور کو یہ خُوش خبری سُنا دی تھی کہ ہائی جیکروں پر قابو پا لیا گیا ہے اور جہاز اور مُسافر محفوظ ہیں۔

رن وے پر سیکورٹی کا عملہ سٹین گنیں لے کر پہنچ گیا تھا۔ جُونہی جہاز ٹرمینل سے دُور رن وے پر رُکا اُسے فوراً گھیرے میں لے لیا گیا۔

دونوں کپتان کاک پٹ سے باہر آ گئے۔ اب اُنھوں نے نقاب پوش ہائی جیکر کی تلاش شروع کر دی۔ کپتان نے ناگن کو سیٹ پر بیٹھے ہُوئے دیکھا تو اپنے ساتھ کاک پٹ میں لے گیا۔ کہنے لگا:

"ہم تُمھارے شُکر گزار ہیں کہ تُم نے کاک پٹ میں موجُود ہائی جیکر کو بے ہوش کیا۔ مگر سوال یہ ہے کہ جس نقاب پوش ہائی جیکر نے اپنے ساتھیوں کو گولی ماری تھی وہ کہاں ہے؟"

ناگن نے کہا "اِس بارے میں میں کچھ نہیں جانتی۔"

اب دُوسرا پائیلٹ بھی اندر آ گیا۔ اس نے دھیمی آواز میں ناگن سے کہا "محترمہ، کیا میں آپ کا ٹکٹ اور بورڈنگ کارڈ دیکھ سکتا ہُوں؟"

ناگن کے پاس نہ ٹکٹ تھا اور بورڈنگ کارڈ تھا — وہ کہاں سے دِکھاتی؟ آخر اُسے کہنا پڑا کہ "ٹکٹ اور بورڈنگ کارڈ میرے پاس نہیں ہے۔ اس پر دونوں کپتان حیرت سے ایک دُوسرے کا مُنھ تکنے لگے۔

"محترمہ، پھر آپ جہاز پر کیسے سوار ہو گئیں؟"

ناگن نے مُسکراتے ہُوئے کہا "کیا آپ کی تسلّی کے لیے اِتنا ہی کافی نہیں ہے کہ میں نے آپ کے جہاز اور مسافروں کو اغوا ہونے سے بچا لیا ہے؟"

کپتان نے کہا "اِس کے لیے ہم آپ کا شکریہ ادا کرتے ہیں لیکن محترمہ، یہ سیکورٹی اور ضابطے کا معاملہ ہے۔ کوئی مُسافر بغیر ٹکٹ اور بورڈنگ کارڈ کے جہاز میں سوار نہیں ہو سکتا۔ پھر آپ کیسے سوار ہو گئیں؟"

ناگن اُسی طرح مُسکرا رہی تھی۔ اُس نے کہا "میں اِس کا جواب نہیں دینا چاہتی۔"

اِس پر دُوسرے کپتان نے پُوچھا "آپ کا نام کیا ہے؟ آپ کہاں رہتی ہیں؟"

ناگن نے مُسکراتے ہُوئے کہا "میرا نام راگنی ہے اور ایک قبرستان میں رہتی ہُوں۔"

پہلا کپتان سنجیدہ ہو کر بولا "محترمہ، یہ مذاق کا وقت نہیں ہے۔ جہاز کے باہر سیکورٹی پولیس موجود ہے۔ ایک ایک مُسافر کی جانچ پڑتال ہو گی۔ آپ کو یہ بتانا پڑے گا کہ آپ جہاز پر کیسے سوار ہُوئیں اور کس کی مدد سے سوار ہُوئیں۔"

ناگن نے کہا "میں جس جہاز پر چاہوں، بے ٹکٹ سوار ہو سکتی ہُوں۔"

دونوں کپتانوں نے ایک بار پھر ایک دُوسرے کو دیکھا۔ سینیئر کپتان نے اِسی وقت وائرلیس سیٹ پر کنٹرول ٹاور میں موجود سیکورٹی انچارج کو بتایا کہ جہاز میں ایک ہائی جیکر نہیں مِل رہا اور راگنی نام کی ایک خاتون نے اگرچہ ہائی جیکروں کو قابُو میں کرنے میں ہماری مدد کی ہے۔ مگر وہ خود جہاز پر بغیر ٹکٹ اور بورڈنگ کارڈ میں سوار ہوئی تھی۔ سیکورٹی اِنچارج نے جواب میں کہا "اسے حراست میں لے لو!"

کپتان نے وائرلیس سیٹ بند کرتے ہُوئے ناگن سے کہا "مجھے افسوس ہے، محترمہ، آپ زیرِ حراست ہیں۔"

ناگن نے مُسکراتے ہُوئے کہا "مجھے کوئی افسوس نہیں ہے۔"

جہاز پر سیڑھی لگا دی گئی۔ سب سے پہلے سیکورٹی اور پولیس کے افسران اندر داخل ہُوئے۔ اُنھوں نے اِسی وقت زندہ ہائی جیکر اور مرنے والے ہائی جیکروں کی لاشوں کو اپنے قبضے میں لے لیا۔ سیکورٹی انچارج نے ناگن سے پُوچھا کہ جہاز پر اُسے کس نے سوار کرایا تھا اور اُس کے ساتھ جہاز پر کون سا آدمی مِلا ہُوا ہے تو ناگن نے بدستور مُسکراتے ہُوئے کہا کہ میں اپنے آپ جہاز پر سوار ہُوئی تھی۔

سیکورٹی اِنچارج نے پولیس کمشنر کی طرف دیکھ کر کہا "آپ اِس خاتون کو گرفتار کر سکتے ہیں۔"

تمام مُسافروں کو ایک ایک کر کے جہاز سے اُتار دیا گیا۔ سب سے آخر میں پولیس ناگن کو اپنی حراست میں لے کر جہاز سے نیچے اُتری۔ یہ ایک پُراسرار مُعما تھا کہ وُہ نقاب پوش ہائی جیکر کہاں غائب ہو گیا تھا

جس نے اپنے ساتھی ہائی جیکروں کو گولی ماری تھی۔ ائیر پورٹ پر لیڈی پولیس بھی موجود تھی۔

پولیس آفیسر نے لیڈی انسپکٹر سے کہا "اِس خاتون کی تلاشی لی جائے"

لیڈی کانسٹبل نے ناگن سے کہا "چلو بی بی، سامنے والے کمرے میں چلو۔"

اِتنی دیر میں ناگن راگنی نے اپنے ذہن میں پُوری اسکیم تیار کر لی تھی کہ اِسے کیا کرنا ہے۔ اِس وقت رات کا ایک بجنے والا تھا۔ ناگن کمرے میں آگئی۔ لیڈی کانسٹبل نے دروازہ بند کر دیا اور ناگن راگنی سے کہا "ہاتھ اُوپر اُٹھاؤ!"

لیڈی کانسٹبل کا لہجہ بڑا کرخت تھا۔ ناگن کو یہ لہجہ بہت بُرا لگا۔ اُس نے کہا "ہاتھ اُوپر اُٹھانے کی کیا ضرورت ہے؟ تُم ویسے ہی تلاشی لے لو۔ میرے پاس کوئی ایٹم بم نہیں ہے۔"

لیڈی کانسٹبل نے غصّے میں کہا "ہاتھ اُوپر اُٹھاتی ہو کہ بُلاؤں ڈنڈا پولیس کو؟"

ناگن نے سوچا کہ اب اِس بد دماغ لیڈی کانسٹبل کو تھوڑا سا مزا چکھا ہی دینا چاہیے۔ پھر بھی اُس نے بڑے دھیمے پن سے کہا:

میرا کوئی قصور نہیں ہے۔ مجھ پر یُوں ہی شک کیا گیا ہے۔ مجھے جانے دو۔ میرے پاس کچھ نہیں ہے۔"

یہ سب کچھ ناگن اُس پُراسرار نقاب کو بچانے کے لیے کر رہی تھی جو اس نے اپنے لباس میں چھپا رکھا تھا۔ اسے معلوم تھا کہ وہ نقاب ساتھ لے کر سانپ تو بن سکتی ہے مگر غائب نہیں ہو سکتی۔ غائب ہونے کے لیے شیش ناگ کا مہرہ مُنہ میں رکھنا ضروری تھا جو ناگن اپنے ساتھ نہیں لا سکی تھی۔

لیڈی کانسٹبل کا پارہ چڑھ گیا۔ وہ ناگن کا بازُو مروڑتے ہُوئے بولی "تُمھیں تلاشی دینا پڑے گی!"

اب ناگن نے گھُور کر لیڈی کانسٹبل کی طرف دیکھا اور مُنہ سے پھُنکار کی ایک خوف ناک آواز نِکالی۔ پھُنکار کی آواز نے لیڈی کانسٹبل کو کچھ پریشان سا کر دیا۔ اِس قسم کی پھُنکار کی آواز اُس نے کسی اِنسان کے مُنہ سے کبھی نہیں سُنی تھی۔ اِس کے بعد جو کچھ ہونے والا تھا وہ لیڈی کانسٹبل کے وہم و گمان میں بھی نہیں تھا۔ پھُنکار کے ساتھ ہی ناگن کالے پھن دار سانپ میں تبدیل ہو گئی۔ کالے سانپ نے چھلانگ لگائی اور لیڈی کانسٹبل کی گردن سے لپٹ گیا اور اپنا پھن کھول کر اس کی خوف زدہ آنکھوں کے سامنے لہرانے لگا۔

لیڈی کانسٹبل دہشت کے مارے نیم بے ہوش ہو کر دھڑام سے

گر پڑی۔ کالا سانپ ایک دم علیٰحدہ ہو گیا۔ وہ ایک بار پھر ناگن راگنی یعنی سُنہری بالوں اور نیلی آنکھوں والی لڑکی میں بدل گیا۔ لیڈی کانسٹبل فرش پر پڑی تھر تھر کانپ رہی تھی۔ ناگن راگنی نے لیڈی کانسٹبل کو بالوں سے پکڑ کر ایک جھٹکا دیا اور بولی:

"خبردار! اگر آیندہ کسی اِنسان سے بدتمیزی سے بات کی۔ اِنسان کا احترام کرنا سیکھو۔ اِسلام نے اِنسان کا احترام کرنے کی ہدایت کی ہے۔ اب میں جا رہی ہُوں اور تُم اور تُمھاری ساری پولیس مِل کر بھی مجھے تلاش نہیں کر سکتی۔ یاد رکھو! میں نے کوئی جُرم نہیں کیا۔ بلکہ جُرم کرنے والوں کو قانُون کے حوالے کیا ہے اور سینکڑوں مُسافروں کو ہلاکت سے بچا لیا ہے۔"

لیڈی کانسٹبل کا جسم خوف کے مارے ٹھنڈا پڑ گیا تھا۔ اُس نے اپنی آنکھوں کے سامنے جو کچھ ہوتا دیکھا تھا اُسے ابھی تک یقین نہیں آ رہا تھا۔ ناگن راگنی نے حلق سے پھُنکار کی آواز نکالی اور ایک سیکنڈ میں وہ عورت سے سیاہ کالا چھوٹا سانپ بن گیا۔ لیڈی کانسٹبل کی آنکھیں پھٹی ہُوئی تھیں۔ چہرے پر دہشت کے اثرات تھے مُنہ خوف سے

کھلا تھا۔ ناگن سانپ اس کی پھٹی پھٹی آنکھوں کے سامنے کمرے کی دیوار پر سے رینگتا ہوا روشن دان میں سے باہر نکل گیا۔

باہر سے سیکورٹی چیف نے آواز دی "کیا بات ہے؟ تلاشی میں اتنی دیر کیوں لگا دی؟"

لیڈی کانسٹیبل کا حلق خشک تھا۔ دہشت کی وجہ سے اس کی آواز نہیں نکل رہی تھی۔ آخر سیکورٹی چیف اور پولیس انسپکٹر اندر آ گئے۔ کیا دیکھتے ہیں کہ لیڈی کانسٹیبل فرش پر خوف زدہ پڑی کانپ رہی ہے اور مشکوک عورت غائب ہے!

"وہ کہاں ہے؟" انسپکٹر نے حیرانی سے پوچھا۔

لیڈی کانسٹیبل نے روشن دان کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا "اُدھر سے نکل گئی۔"

سیکورٹی انچارج اور پولیس انسپکٹر حیران ہوئے کہ یہ لیڈی کانسٹیبل کیا کہہ رہی ہے "یہ تم کیا کہہ رہی ہو؟ وہ اتنے اونچے روشن دان سے کیسے نکل گئی؟"

لیڈی کانسٹیبل کے ہوش اب کچھ ٹھکانے آ گئے تھے۔ اٹھ کر کرسی پر بیٹھ گئی اور بولی "وہ سانپ بن کر نکلی ہے۔ میں قسم کھا کر کہتی ہوں، سر، کہ وہ دو بار میری آنکھوں کے سامنے سانپ بنی۔ میرا حلق خشک ہو رہا ہے، سر۔ پلیز، مجھے پانی پلائیں۔"

لیڈی کانسٹیبل کو پانی پلایا گیا۔ وہ بار بار یہی کہہ رہی تھی کہ سنہری بالوں اور نیلی آنکھوں والی لڑکی سانپ بنی۔ پھر لڑکی بنی۔ پھر سانپ بنی اور روشن دان کے راستے باہر نکل گئی۔ سب یہی کہہ رہے تھے کہ لیڈی کانسٹیبل کا دماغ پھر گیا ہے۔ مگر سب اس بات پر حیران تھے کہ پھر وہ مشکوک لڑکی گئی کہاں؟

ناگن کالے چھوٹے سانپ کی شکل میں جب روشن دان سے نکل کر باہر آئی تو باہر کی دیوار پر ایک بلب روشن تھا۔ وہ دیوار پر رینگتی ہوئی نیچے ایک ویران سی سڑک پر آ گئی۔ چونکہ رات کا ایک بج چکا تھا اس لیے سڑک سنسان تھی۔ ادھر اُدھر ائیر پورٹ والوں کے دو چار ٹرک کھڑے تھے۔ ناگن راگنی کو اب واپس لاہور اپنے قبرستان پہنچنا تھا۔ وہ نہ تو ہوائی جہاز سے سفر کر سکتی تھی اور نہ ریل گاڑی سے جا سکتی تھی۔ اس نے سوچا کہ اب یہی ایک طریقہ رہ گیا ہے کہ وہ سانپ کی شکل میں جتنی تیز رینگ سکتی ہے رینگتی ہوئی کراچی شہر سے باہر نکل جائے اور پھر وہاں سے انسانی شکل میں واپس آ کر کوئی ٹرین پکڑ کر لاہور پہنچ جائے۔ ناگن راگنی سانپ کی شکل میں ائیر پورٹ کے پیچھے سنسان سڑک کے کنارے کنڈلی مار کر بیٹھی اپنی اسکیم پر ایک بار پھر غور کرنے لگی۔

دوسری طرف لیڈی کانسٹیبل کے بیان پر سوائے پولیس کے ایک سپاہی کے اور کسی نے یقین نہیں کیا تھا۔ وہ سپاہی کہنے لگا:

"سر، میں نے اپنے گاؤں کے سپیرے سے سن رکھا ہے کہ ایک خاص چلہ کرنے کے بعد انسان میں یہ طاقت پیدا ہو جاتی ہے کہ وہ جب چاہے انسان سے سانپ بن جاتا ہے۔ اس لیے مجھے یقین ہے کہ مشکوک عورت راگنی سانپ بن کر ہی روشن دان سے نکلی ہے اور اس نے ضرور سانپ بن جانے کا چلہ کاٹ رکھا ہے۔"

سیکورٹی انچارج نے کہا "ٹھیک ہے۔ ہم اس سانپ کو تلاش کرتے ہیں۔"

سپاہی کہنے لگا "سر، وہ سانپ ہماری نظروں سے غائب ہو سکتا ہے۔ اس لیے بہتر یہ ہو گا کہ ہم سانپ کو بے ہوش کرنے کی کوشش کریں۔ اس طرح وہ ہمارے قابو میں آ جائے گا۔"

یہ تجویز سیکورٹی چیف اور پولیس انسپکٹر نے قبول کر لی۔ اسی وقت پولیس کو حکم دے دیا گیا کہ وہ ائیر پورٹ کے چاروں طرف پھیل جائیں اور کالے سانپ کو تلاش کریں اور جوں ہی سانپ نظر آئے آنسو گیس کے گولے اس پر فائر کر دیں۔

پولیس نے ائیر پورٹ کو چاروں طرف سے گھیر لیا۔ سڑکوں کی ناکہ بندی کر دی گئی۔ سپاہیوں کو آنسو گیس کے گولے دیے گئے۔ پولیس انسپکٹر خود جیپ میں پوری پولیس گارد لے کر ائیر پورٹ کی پچھلی سڑک پر آ گیا۔ اس کی جیپ میں سرچ لائٹ لگی تھی۔

ناگن راگنی سانپ کی شکل میں ابھی سڑک کے کنارے کنڈلی مارے سوچ ہی رہی تھی کہ دور سے سڑک پر ایک جیپ آتی دکھائی دی۔ اس نے جیپ کو کوئی اہمیت نہ دی۔ جیپیں تو سڑک پر سے گزرا ہی کرتی ہیں۔ مگر قریب آ کر جیپ نے اچانک سرچ لائٹ کی تیز روشنی سڑک پر پھینکی۔ اس کی تیز روشنی میں سپاہیوں کو سڑک کنارے سانپ کنڈلی مارے بیٹھا نظر آیا تو انسپکٹر نے چلا کر کہا "فائر!"

ایک دم سے چھ گولے ناگن راگنی کے اردگرد فائر کر دیے گئے۔ گولے پھٹے۔ اُن میں سے بے پناہ دُھواں نکلا اور اس آنسو لانے والے دُھوئیں نے ناگن کو چاروں طرف سے بادلوں کی طرح اپنی لپیٹ میں

لے لیا۔ وُہ گھبرا کر جھاڑیوں کی طرف بھاگی مگر آنسو گیس کا اس پر اثر ہو گیا تھا۔ اس کی رفتار سُست ہو گئی۔ وہ پھُنکار مار کر لڑکی کی شکل میں نہیں آنا چاہتی تھی۔ کیوں کہ لڑکی کی شکل میں آنے کے بعد شاید وُہ پولیس کے نرغے سے نہیں نکل سکتی تھی۔ وہ سمجھ گئی تھی کہ لیڈی کانسٹبل کے بیان کے بعد پولیس سانپ کی تلاش میں نکل آئی ہے۔ ناگن نے تیزی سے بھاگنا چاہا مگر اس کی طاقت جواب دے گئی۔ آنسو گیس اتنی زیادہ تھی کہ اس کی آنکھوں سے پانی بھی بہ رہا تھا اور اس پر بے ہوشی بھی چھا رہی تھی۔ اس کا جسم سُن ہو گیا اور وُہ بے ہوش ہو گئی۔

فوراً سانپ کو اُٹھا کر شیشے کی ایک بڑی بوتل میں ڈال دیا گیا۔ وُہ سپاہی جس نے کہا تھا کہ انسان چلّہ کاٹنے سے سانپ بن جاتا ہے ساتھ ہی تھا۔ اُس نے اِنسپکٹر سے کہا:

"سر، اگر یہ سچ مچ کوئی عورت ہے جو چلّہ کاٹ کر سانپ بنی ہُوئی ہے تو ہوش آنے پر غائب بھی ہو سکتی ہے۔ اِس لیے میری رائے میں اسے فوراً بے ہوشی کا ٹیکا لگا دینا چاہیے اور پھر لیبارٹری میں اِس کا ٹیسٹ لیا جائے کہ کیا یہ واقعی سانپ ہے یا اِس کے اندر انسان کا خُون دوڑ رہا ہے۔"

پولیس انسپکٹر کو سپاہی کی یہ تجویز بھی پسند آئی۔ اِسی وقت ناگن سانپ کو پولیس کی لیبارٹری میں پہنچا دیا گیا۔ اخبار والوں سے اس خبر کو پوشیدہ رکھا گیا۔ اس خیال سے کہ اگر یہ سانپ سانپ ہی نکلا، عورت نہ نکلی تو پولیس کی ہنسی اُڑائی جائے گی۔ لیبارٹری میں صرف انسپکٹر اور سرجن ڈاکٹر ہی موجود تھے۔ انسپکٹر نے جب ڈاکٹر کو بتایا کہ اس سانپ کے بارے میں ہمیں شُبہ ہے کہ یہ ایک مشکوک عورت ہے جس کا تعلق ہانی جیکروں سے ہے تو ڈاکٹر انسپکٹر کا مُنھ تکنے لگا:

"آپ ایک پڑھے لکھے اور ذمّے دار افسر ہو کر اِس قسم کی فضُول باتوں پر بھی یقین کر لیتے ہیں؟"

اِنسپکٹر نے کہا "میں نے یقین نہیں کیا۔ مجھے صرف شُبہ ہے۔ اور میں اپنی تسلّی کے لیے چاہتا ہُوں کہ آپ اِس سانپ کے خُون کا تجزیہ کریں۔"

ڈاکٹر نے سر کو جھٹک کر کہا "آپ کی تسلّی کے لیے اور اپنی ڈیوٹی سمجھ کر اس کا ٹیسٹ کر لیتا ہُوں۔"

ڈاکٹر نے بے ہوش ناگن سانپ کے جسم سے تھوڑا سا خُون نکال کر شیشے کی سلائیڈ پر رکھا اور اسے خُردبین کے نیچے رکھ کر اس کا مُعاینہ کرنے لگا۔ انسپکٹر قریب ہی کُرسی پر بیٹھا بڑے غور سے ڈاکٹر کے چہرے کو دیکھ رہا تھا۔

اچانک ڈاکٹر نے خُردبین سے آنکھیں ہٹائیں اور انسپکٹر کی طرف دیکھا۔ انسپکٹر نے پُوچھا "کیا پتا چلا، ڈاکٹر؟"

ڈاکٹر کے چہرے پر حیرت کے جذبات تھے۔ کہنے لگا "اس سانپ کے خون کے خلیے انسانی خون کے ہیں!"

انسپکٹر کا چہرہ بھی ساکت ہوگیا۔ "اس کا مطلب ہے کہ یہ سانپ اصل میں ایک عورت ہے۔ وہی عورت جو پُراسرار طریقے سے جہاز میں سوار ہوگئی تھی۔"

ڈاکٹر نے ایک بار پھر سلائیڈ پر لگے خون کے دھبے کی طرف دیکھا اور بولا "میں جو کچھ دیکھ رہا ہوں مجھے اس کا یقین نہیں آرہا۔ یہ کیسے ممکن ہوسکتا ہے کہ ایک انسان سانپ بن جائے۔"

انسپکٹر اُٹھ کر کمرے میں بے چینی سے ٹہلنے لگا۔ ایک منٹ کے لیے رُک کر اس نے ناگن سانپ کے بے ہوش جسم کو دیکھا اور ڈاکٹر سے کہا "ڈاکٹر! اسے کب تک ہوش آجائے گا؟"

ڈاکٹر نے کہا "زیادہ سے زیادہ ایک گھنٹے بعد سانپ ہوش میں آجائے گا۔ لیکن ہوش میں آنے کے بعد ضروری نہیں کہ یہ سانپ عورت بھی بن جائے۔"

انسپکٹر نے سانپ کو دوبارہ شیشے کی بوتل میں ڈالا اور لیبارٹری سے نکل کر باہر اپنی جیپ میں آگیا۔ جیپ میں اُس کا وہی سپاہی بیٹھا تھا۔

اُس نے پُوچھا "کیا معلوم ہُوا، سر؟"

انسپکٹر نے سر کو نفی میں ہلاتے ہُوئے کہا "نہیں جوان۔ تمھارا خیال غلط ہے۔ وہ محض سانپ ہے۔ کوئی انسان نہیں ہے۔ چلو، مجھے ہیڈ کوارٹر چھوڑ دو۔ میں چاہتا ہُوں، آج کی رپورٹ آج ہی لکھ دُوں۔ ہمارا فضول ہی وقت ضائع ہُوا۔"

انسپکٹر اِس سپاہی کو اصل بات نہیں بتانا چاہتا تھا۔ ہیڈ کوارٹر میں آتے ہی اس نے فون کرکے سی آئی ڈی کے خاص جاسوس مہدی کو بُلا لیا۔ اسے سارا قصہ سُنایا اور اس زمین دوز تہ خانے میں لے گیا جہاں ناگن سانپ کو بوتل میں بند کرکے رکھ دیا گیا تھا۔ ناگن سانپ کو ابھی ہوش نہیں آیا تھا۔ ڈاکٹر کے کہنے کے مطابق اسے ہوش آنے میں ابھی آدھا گھنٹا باقی تھا۔

جاسوس مہدی نے سانپ ناگن کو غور سے دیکھا اور انسپکٹر کے کندھے پر ہاتھ رکھ کر بولا

"انسپکٹر، مجھے یقین نہیں آتا کہ یہ سانپ ایک خوب صورت سُنہری بالوں اور نیلی آنکھوں والی لڑکی ہے۔ بہرحال، اگر تم کہتے ہو تو میں یقین کرلیتا ہُوں۔"

انسپکٹر بولا "مہدی، پہلے مجھے بھی یقین نہیں آتا تھا۔ لیکن جب ڈاکٹری رپورٹ سامنے آئی تو مجھے بھی ماننا پڑا۔ بہرحال میرا خیال ہے کہ یہ سانپ غیر معمولی قوتوں کا مالک ہے اور اگر اسے اکیلا چھوڑ دیا جائے تو ہوش آنے کے بعد ہوسکتا ہے یہ عورت کی شکل اختیار کرلے۔ تب ہم اسے گرفتار کرسکتے ہیں یا اس سے بات کرسکتے ہیں۔"

مہدی جاسوس نے بھی یہی مشورہ دیا کہ سانپ کو دُوسرے تہ خانے میں تنہا چھوڑ دیا جائے۔ اس تہ خانے میں مائیکروفون اور سپیکر دیوار کے اندر لگے ہُوئے تھے۔ یہ ایک چھوٹا سا سٹیل کا بنا ہُوا تہ خانہ تھا جس میں کوئی روشن دان نہ تھا۔ دروازہ بند کردینے سے وُہ ریفریجریٹر کی طرح بالکل ہی بند ہوجاتا تھا۔ اس کی دیوار کی جالیوں میں آکسیجن اندر بھیجی جاتی تھی۔ یہ کمرا بڑے خطرناک جرائم پیشہ لوگوں سے پُوچھ گچھ کرنے کے لیے بنایا گیا تھا۔ ناگن سانپ کو بے ہوشی کی حالت میں اس فولاد کے بنے ہُوئے چھوٹے سے تہ خانے میں چھوڑ کر فولادی دروازہ بند کردیا گیا۔ مائیکروفون اور سپیکر کھول دیے گئے۔ تہ خانے میں آکسیجن والا پائپ بھی کھول دیا۔ انسپکٹر اور جاسوس مہدی ایک میز پر رکھے کمپیوٹر کے آگے بیٹھ کر اس کی سکرین کو دیکھنے لگے۔ انسپکٹر نے بٹن دبایا تو کمپیوٹر پر ٹیلی ویژن کی سکرین کی طرح تہ خانے میں فرش پر بے ہوش پڑے ناگن سانپ کی تصویر آگئی۔

انسپکٹر نے گھڑی دیکھ کر کہا "سانپ کو ہوش آنے میں دس منٹ رہ گئے ہیں۔"

دونوں کی آنکھیں کمپیوٹر ٹی وی کی سکرین پر لگی ہُوئی تھیں۔ جب دس منٹ گزر گئے تو ناگن سانپ کو ہوش آگیا۔ ناگن نے دیکھا کہ وہ ایک چھوٹے سے فولادی کمرے میں بند ہے۔ انسپکٹر اور جاسوس مہدی آنکھیں پھاڑے سکرین کو تک رہے تھے کہ اچانک سانپ نے اپنی جون بدلی اور اس کی جگہ اب سُنہری بالوں اور نیلی آنکھوں والی لڑکی بیٹھی تھی۔ جاسوس مہدی کے مُنھ سے ہلکی سی چیخ نکل گئی!

اِس کے بعد کیا ہُوا؟

یہ معلوم کرنے کے لیے "تعلیم و تربیت" کا اگلا شمارہ پڑھیے۔

بلا عُنوان

اِس کارٹون کا عُنوان لکھیے اور 1000 روپے کے انعامات حاصل کیجیے۔ آخری تاریخ 10 اپریل ہے۔

مارچ 1989 کے کارٹونوں کے بے شمار عنوان موصول ہوئے، جن میں سے ججوں کو صرف ایک عُنوان "ارے میاں! میرے پیسے تو دیتے جاؤ" پسند آیا۔ جن بچّوں نے یہ عنوان تجویز کیا ہے اُن کے نام یہ ہیں: سیّد سلمان علی چشتی راولپنڈی۔ اظہر علی فیصل آباد۔ مرزا بابر بیگ ڈیرہ غازیخان۔ راجہ رشید بشیر بنوی ٹاؤن کراچی۔ محمد طاہر خان ڈیرہ اسماعیل خان۔ محمد شاہد ڈیرہ اسماعیل خان۔ تحسین فاطمہ جیم ملتان۔ خورشید احمد منتظر ہری پور ہزارہ۔ اویس شاہد سیٹلائٹ ٹاؤن بہاولپور۔ فرزانہ عارف اقبال ٹاؤن لاہور۔ طیبہ طارق وحدت کالونی لاہور۔ وسیم عباس سیالکوٹ چھاؤنی۔ محمد وہاج خان وحدت روڈ لاہور۔ فوزیہ بتول بھٹی راولپنڈی۔ کاشف یعقوب والٹن لاہور۔ سیف الرحمٰن التحصیل گوجرہ بشیر احمد خان سمرسٹہ۔ نشو نورین پشاور۔ فرقان عبدالغنی سعود آباد کراچی۔ صفیہ کنول ڈیرہ غازیخان۔ کاشف ارشاد غازی روڈ لاہور۔ زاہد حمید صدیقی گرجاکھ گوجرانوالہ۔ بنبل احمد بھٹو پشاور۔ شہزاد خوشی محمد کوٹ خواجہ سعید لاہور۔ مُونا زیدی بزار محلہ لاہور چھاؤنی۔ فیض احمد گُل علی پُور۔ سیّد محمد شمس الحق سیدپور لاہور۔ ملک سرفراز احمد ملتان۔ زرین صدف پریم نگر لاہور۔

ان بچّوں کو 50، 50 رُوپے کی کتابیں دی گئی ہیں۔

قرآنی کہانیاں

معصوم اُونٹنی کا قتل

ڈاکٹر عبدالرؤف

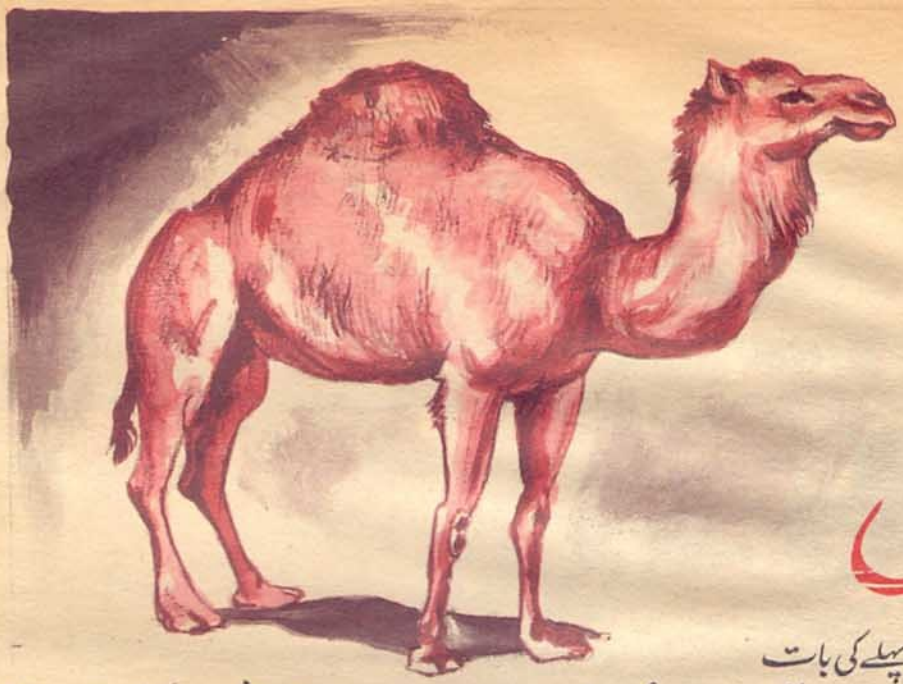

حضرت مسیحؑ کی پیدائش سے کوئی ڈھائی ہزار برس پہلے کی بات ہے کہ عرب کے شمال میں شام کے قریب الحجر کی پہاڑیوں میں ایک اکھڑ قوم آباد تھی جسے ثمود کہا جاتا تھا۔ یہ لوگ بُت پرستی کے دِل دادہ تھے اور عادات و اطوار میں بے حد گندے، ضدّی اور لڑاکا تھے۔ موت کے بعد کی زندگی میں اُن کا قطعی ایمان نہ تھا۔ وہ صُلح و امن اور نظم و ضبط کے بالکل قائل نہ تھے۔ عیش و عشرت اور مادّی لذتوں میں بالکل کھو چکے تھے۔ دولت و ثروت کی فراوانی اور رنگ رلیوں کی چاٹ نے اُنھیں تکبّر، غرور، خود غرضی اور بے حیائی کی تاریکیوں میں غرق کر رکھا تھا۔ جب ثمود کے دو قبیلے آپس میں لڑتے تو فاتح قبیلہ مفتوح کے مال و دولت کے علاوہ اُس کے "مقدّس" بُت بھی اُٹھا لے جاتا۔

اللہ تعالےٰ نے اِن بدقماش لوگوں کی اِصلاح کے لیے حضرت صالح علیہ السّلام کو اپنا نبی بنا کر بھیجا۔ حضرت صالحؑ نے اُن کی رہنمائی، اِصلاح اور ترقّی کے لیے کوششیں شروع کر دیں۔ مگر ثمودیوں پر اس کا کوئی اچھا نتیجہ مرتّب نہ ہُوا۔ وُہ بُت پرستی اور بدکرداری ترک کرنے پر قطعی آمادہ نہ ہُوئے۔ آپؑ سے اِصلاح لینے کی بجائے وہ اُلٹا آپؑ کا مذاق اُڑاتے۔ بعض خطرناک غُنڈوں نے تو آپؑ کو یہ دھمکی بھی دے دی کہ تبلیغ اور اِصلاح کا سلسلہ بند کر دیں ورنہ اِس کا انجام بُرا ہوگا۔ حضرت صالح علیہ السّلام نے اِن تمام دھمکیوں کے باوجُود اپنا مشن جاری رکھا۔ مگر بہت تھوڑے ثمودی آپؑ پر ایمان لائے۔ اکثریّت اُجڈ کی اُجڈ رہی۔

خُدا نے حضرت صالحؑ کو ایک نہایت عُمدہ خصلت اُونٹنی بطور تحفہ عطا کی تھی۔ یہ اُونٹنی پہاڑیوں کے پیچھے سے مُعجزانہ طور پر اچانک نمودار ہُوئی تھی۔ وُہ اِدھر اُدھر گھُومتی پھرتی۔ چراگاہوں میں آزادانہ چرتی پھرتی اور خُوب دُودھ دیتی تھی۔ حضرت صالحؑ نے ثمودیوں کو بھی اِس کا دُودھ اِستعمال کرنے کی اجازت دے رکھی تھی۔ مگر بدطینت ثمودی اُونٹنی سے خواہ مخواہ خار کھانے لگے۔ حتیٰ کہ ایک روز اُنھوں نے اُسے ٹھکانے لگانے کی سازش بھی تیار کر لی۔ حضرت صالحؑ نے اُنھیں اِس ظُلم سے باز رہنے کی بہتیری کوشش کی اور صاف صاف کہہ دیا کہ اُنھیں معصُوم اُونٹنی کی ہلاکت کا خمیازہ بُھگتنا پڑے گا۔ مگر وہ سنگ دِل باز نہ آئے اور اُنھوں نے ایک دِن موقع پا کر بے چاری اُونٹنی کا کام تمام کر ڈالا۔

اُونٹنی کے قتل کے بعد سفّاک ثمودیوں کے اخلاق و اطوار اور بگڑتے چلے گئے۔ حتیٰ کہ ایک رات اُنھوں نے حضرت صالح علیہ السّلام کو سوتے میں قتل کرنے کا منصُوبہ بھی بنا لیا۔ چُناں چہ ایک مُشتعل ہجُوم رات کے اندھیرے میں اُن کے مکان کی طرف چل نِکلا۔ مگر ہُوا یُوں کہ یہ نادان ابھی راستے ہی میں تھے کہ ایک عبرت ناک عذاب نے انھیں گھیرے میں لے لیا۔

اِس دہشت ناک عذاب کی تفصیل سے رونگٹے کھڑے ہو جاتے ہیں۔ عذاب کی اِبتدا ایک خوف ناک زلزلے سے ہُوئی۔ آسمان سے بجلیاں گرنے لگیں۔ فضا میں ہیبت ناک چیخیں اور پُراسرار صدائیں گُونجنے لگیں۔ افراتفری اور خوف و ہراس ہر طرف پھیلتا گیا۔ ظالم ثمودیوں کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ اُن کے اِرد گِرد ہو کیا رہا ہے!

دیکھتے ہی دیکھتے ثمود کی ساری قوم موت کی گود میں سو گئی۔ حضرت صالحؑ اور اُن کے چند نیک ساتھی، جو اُن پر ایمان لے آئے تھے، اِس ہول ناک تباہی سے بچ نِکلے۔

آیئے دوست بنائیں

شہباز احمد 15 سال
ٹکٹ جمع کرنا
جماعت دہم ڈی رول نمبر 36
گورنمنٹ ہائی سکول کامونکے

محمد عدنان حبیب 14 سال
مطالعہ
21/5 محمود غزنوی روڈ
توپ خانہ بازار، سیالکوٹ کینٹ

اصغر علی شاہ 13 سال
مطالعہ۔ قلمی دوستی
مکان نمبر 171 گلی نمبر 3 ایریا 37/D
لانڈھی کراچی نمبر 30

عرفان ظہیر 17 سال
ہاکی
22-R
یونیورسٹی کیمپس۔ پشاور

نصرت صنم 15 سال
رسائل پڑھنا
سردار کریانہ سٹور
شیریں جناح کالونی کراچی نمبر 6

نواز عبدالفیصل 10 سال
مطالعہ۔ میوزک
16 شاہ دین سکیم
اچھرہ۔ لاہور

طارق انور طاہر 15 سال
پرانے سکے جمع کرنا
جماعت نہم سی گورنمنٹ ہائی سکول
ہارون آباد ضلع بہاولنگر

عادل کاشمیری 10 سال
کرکٹ۔ ہاکی
60 بدر بلاک
علامہ اقبال ٹاؤن لاہور

منور علی ملک 7 سال
مطالعہ۔ کرکٹ
C-855 الہ آباد روڈ
ویسٹرج تھری راولپنڈی کینٹ

محمد عمران 16 سال
ٹکٹ اور سکے جمع کرنا
C-88
سیٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

محمد طارق رشید 15 سال
مطالعہ۔ ہاکی
انارکلی بازار
اسمٰعیل آباد۔ ملتان

طاہر محمود 16 سال
کرکٹ
143/9-B
ٹاؤن شپ لاہور

مسز راحمد ریحان 10 سال
کتابیں پڑھنا۔ سیاحت کرنا
مکان نمبر 553/O گلی نمبر 26
G-6/2 اسلام آباد

راشد ندیم 15 سال
ہاکی۔ کرکٹ
گاؤں مگھال ڈاکخانہ ارڑ
تحصیل وضلع چکوال

شہزاد رفیق 10 سال
کرکٹ۔ ٹیبل ٹینس
مکان نمبر 1312/10 گلی نمبر 99
لوہاری منڈی صدر بازار لاہور کینٹ

محمد عرفان غوری 12 سال
بیڈمنٹن
منڈی بہاؤالدین
ضلع گجرات

محمد رضوان 11 سال
کرکٹ
مکان نمبر 178 بلاک نمبر 5
ٹاؤن شپ لاہور

عبدالغفور 12 سال
کرکٹ
اسٹار ٹریننگ ہاؤس
لیاری کراچی

محمد کاشف حفیظ 9 سال
کرکٹ
کوٹھی نمبر 2 گلی نمبر الف بلاک
نیو سٹلائٹ ٹاؤن سرگودھا

قیصر نصیر انصاری 15 سال
ٹکٹ جمع کرنا
مکان نمبر A/470 گلی نمبر 53
محلہ موہن پورہ راولپنڈی

علی خلیل 9 سال
ٹکٹ جمع کرنا۔ کرکٹ
104۔ احمد بلاک
نیو گارڈن ٹاؤن لاہور

محمد قائم خان 9 سال
کرکٹ
327-D/3 لین نمبر 4
پشاور روڈ راولپنڈی

جاوید اقبال غفاری 16 سال
قلمی دوستی
حافظ بشیر احمد سائیکل ورکس
مسلم بازار میانوالی

آیئے دوست بنائیں

اپریل : 1989

قلمی دوستی کی اس محفل میں شریک ہونے کے لیے یہ کوپن پُر کرنا اور تصویر بھیجنا ضروری ہے۔
(لڑکیاں اس میں حصہ نہیں لے سکتیں۔)

نام _____ عمر _____

مشاغل _____

پتا _____

جُوڈو

جُوڈو کشتی کی طرز کا ایک ایشیائی کھیل ہے جو اَب یورپ سمیت پوری دنیا میں مقبولیت حاصل کرتا جا رہا ہے ۔ جوڈو جاپانی زبان کا لفظ ہے جس کے لفظی معنی "معتدل راستے" کے ہیں یعنی جوڈو ایک ایسا کھیل ہے جس میں ذاتی دفاع کسی ہتھیار کی بجائے معتدل اور معقول طریقے سے کیا جاتا ہے ۔ جوڈو کا کھیل جاپان کے ایک قدیم فن کشتی "جُوجِٹسو" کی ایک ترقی یافتہ شکل ہے ۔ "جوجٹسو" میں اپنے حریف کو گرانے کے لیے اس کے جسم کے کسی بھی حصے کو نشانہ بنایا جاسکتا تھا جس سے آدمی کی جان بھی ضائع ہو سکتی تھی ۔ اِسی خرابی کی وجہ سے "جوجِٹسو" کی مقبولیت کم ہونا شروع ہو گئی ، اور اُنیس ویں صدی کے آخر میں اس وحشیانہ فن کا خاتمہ ہو گیا اور اس کی جگہ جوڈو نے لے لی ۔

جُوڈو کی داغ بیل جاپان کے پروفیسر "جیگورو کے نو" نے ڈالی ۔ "کے نو" بذات خود "جوجٹسو" کے فن کا ماہر تھا ۔ اِس نے اس خطرناک فن کی جگہ اپنے ذاتی دفاع کے لیے جوڈو کے کھیل کا خیال پیش کیا اور خطرناک داؤ پیچ کو غیر قانونی قرار دے دیا اور اس طرح 1880ء میں "جوجٹسو" نے جوڈو کی شکل اختیار کر لی ۔ 1952ء میں بیس ممالک نے مل کر "انٹرنیشنل جوڈو فیڈریشن" قائم کی ۔ 1955ء میں امریکہ میں "جوڈو بلیک بیلٹ فیڈریشن آف یو ۔ ایس ۔ اے" کا قیام عمل میں آیا ۔ بالآخر اس کھیل کی مقبولیت کو پیش نظر رکھتے ہوئے 1964ء میں "جوڈو" کو اولمپک کھیلوں میں شامل کر لیا گیا ۔ لیکن چار سال بعد 1968ء میں بعض وجوہ کی بنا پر اس کو اولمپکس سے خارج کر دیا گیا ۔ 1972ء میں دوبارا جوڈو کو اولمپکس میں بحال کر دیا گیا ۔ آج کل بین الاقوامی جوڈو فیڈریشن کا صدر مقام سوئٹزرلینڈ میں ہے ۔

جوڈو ذاتی دفاع کے لیے ایک نہایت مفید کھیل ہے اس کھیل میں داؤ پیچ کی ایسی مشقیں کروائی جاتی ہیں جن پر عبور حاصل کرنے کے بعد ایک کمزور آدمی طاقتور آدمی پر آسانی سے غالب آسکتا ہے جب جوڈو کے کھیل کا آغاز ہوا تو جسمانی اصلاح کی غرض سے کھلاڑیوں کو اپنے حریف سے گتھم گتھا ہونے اور اس کو پٹخنے کے طریقے سکھائے گئے ۔ لیکن بعد میں ذاتی دفاع کے لیے ہاتھ اور پاؤں کی

ضربیں سکھائی گئیں اور مد مقابل کو گرفت میں لینے اور اس کی گرفت سے بچنے کے داؤ سے بھی روشناس کرایا گیا ۔

"جوڈو" کا کھیل 9 مربع میٹر گدے پر کھیلا جاتا ہے کھلاڑیوں کا ایک مخصوص لباس ہوتا ہے جس میں ایک دوہری سلائی والی مضبوط سوتی جیکٹ ہوتی ہے جس کے سامنے والا حصہ کھلا ہوتا ہے اور ایک اسی طرح کا مضبوط اور ڈھیلا ڈھالا سوتی پاجامہ ہوتا ہے ۔ اس کے علاوہ ایک سوتی بیلٹ ہوتی ہے جس کو کمر کے اردگرد دوہرا لپیٹ کر سامنے ایک مضبوط گرہ لگائی جاتی ہے ۔ جیکٹ کے بازوؤں کی لمبائی کہنیوں سے ذرا نیچے تک اور پاجامے کی لمبائی گھٹنوں سے ذرا نیچے تک ہوتی ہے ۔

جوڈو کا میچ 3 سے 20 منٹ تک ہوتا ہے ، جس کو 2 سے 7 منٹ تک بڑھایا بھی جاسکتا ہے جوڈو میں ہار جیت کا فیصلہ پوائنٹس کی بنیاد پر جج کرتے ہیں ۔ اس کھیل میں پورا پوائینٹ اس کھلاڑی کو دیا جاتا ہے جو اپنے حریف کی پشت مکمل طور پر زمین سے لگا دے اور اپنا توازن بھی برقرار رکھے ۔ اگر کوئی کھلاڑی مکمل طور پر پشت زمین پر نہ لگا سکے یا اپنا توازن صحیح طور پر برقرار نہ رکھ سکے تو اس کو آدھا پوائنٹ دیا جاتا ہے ۔

"جوڈو" کے مقابلے کا آغاز اور اختتام پرانے جاپانی رواج کے مطابق سلامی کے انداز میں جھکنے سے ہوتا ہے ۔ سلامی کے بعد کھلاڑی ایک دوسرے سے گتھم گتھا ہوتے ہیں اور دائیں ہاتھ سے حریف کی جیکٹ کو سینے کے برابر مضبوطی سے پکڑتے ہیں اور بائیں ہاتھ سے دائیں آستین پکڑتے ہیں ۔ اس کے بعد حریف کو مخصوص داؤ اور زور آزمائی سے گرانے کی کوشش کرتے ہیں ۔ جو کھلاڑی حریف کو گرانے میں کامیاب ہو جاتا ہے اس کو "ٹوری" کہتے ہیں اور گرنے والے کو "اوکائے" کہا جاتا ہے ۔

پیشہ ور کھلاڑیوں کو بیلٹ کے مخصوص رنگوں کے اعتبار سے پہچانا جاتا ہے ۔ سب سے اعلیٰ کھلاڑی کو براؤن بیلٹ ، درمیانے درجے کے کھلاڑی کو وائیٹ بیلٹ اور سب سے کم درجے کے کھلاڑی کو بلیک بیلٹ دی جاتی ہے ۔ روایتی جوڈو میں مقابلے بیلٹ کی درجہ بندی سے ہوتے ہیں جبکہ اولمپکس میں "ویٹ" کے لحاظ سے مقابلے کروائے جاتے ہیں ۔

م - ا - ث

شرافت عباس

نوبہن بھائیوں کا مزہ

ہم اپنے چچازاد بھائی کا خط پڑھتے پڑھتے جب اُس جگہ پہنچے جہاں لکھا تھا کہ چھٹیوں کا اصل مزہ تو تمھیں آتا ہوگا، نوبہن بھائی کس مزے سے رہتے ہوں گے، تو چونک پڑے۔ اصل میں جاوید بھائی چچاجان کے اکلوتے بیٹے ہیں۔ ہم نے جو یہ پڑھا تو سوچا کہ جاوید بھائی کو نو بھائی بہنوں کا مزہ چکھانا چاہیے۔ اُسی وقت، امّی سے اجازت لے کر، اُنھیں پنڈی بُلا بھیجا۔

جاوید بھائی خط ملنے کے دُوسرے ہی دِن تشریف لے آئے۔ ہم لوگ اُنھیں سٹیشن پر لینے نہیں گئے تھے، کیوں کہ وہ بغیر اِطّلاع دیے آئے تھے۔ بس ایک دِن صُبح کے گیارہ بجے گھنٹی بجی۔ دروازہ کھولنے گئے تو کیا دیکھتے ہیں کہ جاوید بھائی کھڑے ہیں۔ انھیں اندر لائے، بیگ اور اٹیچی کیس کمرے میں رکھا اور اُنھیں لے کر امّی کے پاس باورچی خانے میں پہنچے۔ امّی نے جو اگلے پچھلوں کا حال پُوچھنا شروع کیا تو بڑی مُشکل سے چُپ ہونے میں آئیں۔ خیر، ہم جاوید بھائی کو کمرے میں لائے تو کیا دیکھتے ہیں کہ بیگ کی سب چیزیں اُلٹ پلٹ پڑی ہیں اور اٹیچی کیس سے کپڑے جھانک رہے ہیں۔

جاوید بھائی اٹیچی کیس میں کچھ ڈھونڈنے لگے۔ پُوچھنے پر بتایا کہ ہماری چچی جان نے ہمارے لیے مٹھائی بھیجی تھی، جو غائب ہو چکی ہے۔ ہم سمجھ گئے کہ ہو نہ ہو مٹھائی منّو میاں نے اُڑائی ہے۔ اُن کے پاس دوڑے دوڑے گئے تو اُنھوں نے اِس طرح اِنکار کر دیا جیسے مٹھائی کبھی دیکھی ہی نہ ہو۔ پھر باری باری سب کے پاس گئے لیکن ہر طرف سے مایُوسی ہُوئی۔ بہتیری آنکھیں دِکھائیں، دھمکیاں دیں، امّی سے بھی کہا لیکن وہ مٹھائی مِلنی تھی نہ مِلی۔

تھوڑی دیر بعد جاوید بھائی نہانے چلے گئے تو ہم نے اُن کا کمرا ٹھیک کروا دیا۔ وہ نہا کر نِکلے تو کہنے لگے کہ کیرم کھیلا جائے۔ ہم کیرم بورڈ اُن کے کمرے میں اُٹھا لائے۔ کھیلنے بیٹھے تو جاوید بھائی بولے "اِس طرح مزہ نہیں آئے گا۔ بچّوں کو بُلا لو۔" ہم نے لاکھ منع کیا کہ ایسا غضب نہ کیجیے لیکن وہ نہ مانے اور آوازیں دے دے کر سب کو اکٹھا کر لیا۔

جاوید بھائی، اسلم، سلمہ اور ہم نے کھیل شروع کیا۔ دُوسرے بچّے دیکھنے لگے۔ منّو میاں کہنے لگے کہ جاوید بھائی جو گیٹیاں جیتیں گے، وہ ہم جمع کریں گے۔ جاوید بھائی فوراً رضامند ہو گئے، حالاں کہ ہم نے انھیں بتا دیا تھا کہ ایسا نہ کیجیے ورنہ ایک بھی گیٹی نہیں مِلے گی۔ لیکن جاوید بھائی نہ مانے۔ آخر وُہی ہُوا جس کا اندیشہ تھا۔ جاوید بھائی کی گیٹیاں ایک ایک کر کے غائب ہونے لگیں۔ ہم نے منّو کو ڈانٹا تو اُنھوں نے مُنھ اُوپر اُٹھا کر راگ الاپنا شروع کر دیا۔ ہم اور جاوید بھائی منّو میاں کو چُپ کرانے کی کوشش کر رہے تھے کہ خالد اور رحیماں باقی گیٹیاں لے اُڑے۔ اب کھیل میں بدمزگی پیدا ہو گئی۔ اِس لیے جاوید بھائی اُٹھ کھڑے ہُوئے۔

باہر صحن میں آئے تو لُوکاٹ کا درخت دیکھ کر جاوید بھائی بولے "ارے بھئی، تم لوگوں نے لُوکاٹ نہیں توڑے؟"

ہم نے بتایا کہ نیچے نیچے کے تو توڑ لیے ہیں، اُوپر کے رہ گئے ہیں۔ کیوں کہ شاخیں اِتنی کم زور ہیں کہ چڑھتے ہُوئے ڈر لگتا ہے۔

جاوید بھائی بولے "مجھے ایک طریقہ آتا ہے۔ اِس طریقے سے میں نے لڑکوں کو بیر توڑتے دیکھا ہے۔"

اُنھوں نے ایک بانس اور تار منگوایا۔ تار کو موڑ کر بانس کے سرے پر باندھ دیا۔ پھر لگے لُوکاٹ توڑنے۔ ابھی دو چار ہی توڑے تھے کہ رخشی شور مچانے لگی کہ اب میں توڑوں گی۔ مجبُوراً جاوید بھائی نے بانس رخشی کو دے دیا۔ بانس بھاری تھا۔ رخشی سے سنبھل نہیں رہا تھا۔ ابھی وہ درخت سے چُھوا بھی نہ تھا کہ ایک دم نیچے آ رہا۔ بدقسمتی سے جاوید بھائی اُدھر ہی کھڑے تھے۔ اُن کے سر پر کھٹاک سے لگا تو وُہ بلبلا اُٹھے۔

ابھی یہ تماشا ہو ہی رہا تھا کہ امّی نے آواز دی کہ کھانا کھا لو۔ شُکر ہے کھانے کی میز پر شبّی نہ تھی۔ اگر وہ جاگ رہی ہوتی تو کہتی کہ میں تو میز پر بیٹھ کر کھاؤں گی، اور پھر کھانے کا کوئی بھی ڈونگا سلامت نہ بچتا۔

کھانے کے بعد جاوید بھائی سونے چلے گئے اور میں کتاب پڑھنے لگا۔ ایک گھنٹے بعد جاوید بھائی کے کمرے میں گیا تو وہ ٹانگیں لٹکائے پلنگ پر بیٹھے تھے۔ میں نے پُوچھا "سوئے نہیں؟" کہنے لگے کہ اسلم میاں چھت پر پتنگ اُڑا رہے ہیں۔ اُن کی کُود پھاند سے نیند نہیں آئی۔

ہم بھاگم بھاگ چھت پر پہنچے اور منّت سماجت کر کے اسلم میاں کو نیچے لائے۔ اب جاوید بھائی کہنے لگے کہ کوئی اِن ڈور گیم کھیلا جائے، کیوں کہ باہر خاصی گرمی ہے۔ لیکن سوال یہ تھا کہ کھیلا کیا جائے؟

جاوید بھائی بولے "بچّوں کو بُلا لو۔ جس نے سب سے اچھّا کھیل بتایا، وُہی کھیلیں گے۔"

ہم نے اُن کی اِس تجویز سے اِتّفاق نہ کیا۔ لیکن وہ بولے "ہم تو سب کے ساتھ کھیلنے آئے ہیں اور تُم منع کرتے ہو۔"

ہم چُپ ہو گئے اور سب بچّوں کو بُلا لائے۔ آتے ہی اُنھوں نے شور مچانا شروع کر دیا۔ جاوید بھائی بولے "اِس طرح نہیں۔ سب لوگ قطار بنائیں اور باری باری کھیل بتائیں۔ جس کا کھیل سب سے اچھا ہوگا، وُہی کھیلا جائے گا۔"

لیکن اُن بے چارے کی کون سُنتا تھا۔ سب اپنی اپنی ہانک رہے تھے۔ ہم نے بڑی مُشکل سے اُنھیں قابُو میں کیا اور رخشی سے کھیل کے بارے میں پُوچھا۔ وہ چہک کر بولی "ہم تو آنکھ مچولی کھیلیں گے۔" خالد نے اُس کے ایک چپت رسید کی اور بولا "بے وقُوف! یہ کوئی اِن ڈور گیم ہے؟"

اب رخشی کو کیا معلوم کہ اِن ڈور گیم کیا ہوتا ہے اور آؤٹ ڈور کیا۔ اُس نے رو رو کر سارا گھر سر پر اُٹھا لیا۔ اِتنے میں دروازہ کھُلا اور امّی چائے کا پیغام دے کر چلی گئیں۔

چائے پینے کے بعد ہم اگلے پروگرام کے بارے میں سوچ ہی رہے تھے کہ امّی کی کوئی مِلنے والی آ گئیں۔ امّی نے ہمیں تاکید کی کہ رخشی، شبّی اور مُنّو کو مہمان کے پاس نہ آنے دیں، ورنہ وہ دو منٹ میں ساری پلیٹیں چٹ کر جائیں گے۔ ہم نے اُنھیں بہتیرا روکنے کی کوشش کی لیکن اُنھوں نے وہ اودھم مچایا کہ امّی کی سہیلی پریشان ہو گئیں۔ آخر امّی نے کہا کہ انھیں چھوڑ دو۔ چھُوٹتے ہی تینوں بہن بھائی امّی کے پاس پہنچے اور اُن کی سہیلی کے سامنے الف سے یے تک سارا قصّہ سُنایا کہ ہم اُنھیں کیوں نہیں آنے دے رہے تھے۔

مہمان کے جانے کے بعد کچھ سکُون ہُوا تو سب لوگ ٹی وی دیکھنے بیٹھے۔ ابھی کچھ ہی دیر ہُوئی ہوگی کہ غُسل خانے میں سے طرح طرح کی آوازیں آنے لگیں۔ ہم لوگ تو ایسی آوازوں کے عادی تھے، اِس لیے چُپ چاپ بیٹھے رہے۔ جاوید بھائی غُسل خانے کی طرف لپکے۔ وہاں سیماں اور مُنّو کی لڑائی ہو رہی تھی۔ ابھی سوچ ہی رہے تھے کہ کیا کریں کہ اُن کے سر پر ہاکی پڑی اور اُن کو دِن میں تارے نظر آ گئے۔

دراصل بات یہ تھی کہ سیماں سے غُسل خانے کی لائٹ نہیں جل رہی تھی۔ اُس نے ہماری ہاکی سے سوئچ آن کیا اور ہاکی کونے میں رکھ کر پاٹ پر بیٹھنے ہی لگی تھی کہ مُنّو میاں پاجامہ تھامے اندر داخل ہُوئے اور سیماں کو ہٹا کر خُود پاٹ پر بیٹھ گئے۔ سیماں بھلا یہ کب برداشت کر سکتی تھی۔ اُس نے ہاکی اُٹھائی اور مُنّو میاں کے سر پر دے ماری۔ اور جب جاوید بھائی اندر گئے تو اُن کے سر پر بھی ایک پڑ گئی۔

دُوسرے دِن ہم سو کر اُٹھے تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ جاوید بھائی اپنا سامان باندھ چُکے ہیں اور دس بجے والی گاڑی سے لاہور واپس جا رہے ہیں۔

دُولہا بارات لے کر سُسرال پہنچا۔ سامنے ہی اس کے فلسفی سُسر کسی سوچ میں غرق بیٹھے تھے۔ دُولہا نے انھیں ادب سے سلام کیا تو وہ چونک کر بولے:

"وعلیکم السلام۔ کہو بیٹا، کیسے آنا ہُوا۔؟"

راہ گیر (بچے سے): تم نے اپنی اُنگلی پر دھاگا کیوں باندھ رکھا ہے؟

بچہ: یہ دھاگا امی نے باندھا ہے تاکہ میں اُن کا خط ڈاک میں ڈالنا نہ بھول جاؤں۔

راہ گیر: تم نے خط ڈال دیا؟

بچہ: جی نہیں۔ امی مجھے خط دینا بھول گئیں۔

باپ (بیٹے سے): اگر تم امتحان میں پاس ہوگئے تو میں تمھیں بائیسکل لے دُوں گا۔

بیٹا: اور اگر خدا ناخواستہ فیل ہوگیا؟

باپ: تو پھر رکشا لے دُوں گا۔

محمد رمضان اورنگی ٹاؤن کراچی

ایک بچہ سڑک پر کھڑا بھیک مانگ رہا تھا۔ ایک صاحب نے اُس سے کہا "کتنی بُری بات ہے کہ تم یہاں کھڑے ہو۔ تمھیں تو سکول جانا چاہیے۔"

لڑکا بولا "وہاں بھی گیا تھا۔ کسی نے ایک آنہ تک نہ دیا۔"

کلاس میں بہت شور ہو رہا تھا۔ ماسٹر صاحب نے کہا "تم سب بہت بدتمیز ہو۔ تمھیں تو اس طرح خاموش ہونا چاہیے کہ سُوئی بھی گرے تو آواز آئے۔"

تمام بچے خاموش ہوگئے۔ تھوڑی دیر بعد ایک بچے کی آواز آئی "سر، اب سُوئی گرائیے نا۔"

سُہیل اختر اسلام آباد

جیلر (ایک قیدی سے): تمھارے رشتے داروں نے تمھیں کبھی کوئی خط نہیں لکھا؟

قیدی: اِس کی ضرورت نہیں، جناب۔

جیلر: کیوں؟

قیدی: آپ کی دُعا سے سب یہیں موجود ہیں۔ (عمرانہ ناز کامرہ)

گاہک (بیرے سے) یہ نہ تو چائے ہے، نہ کافی۔ اس کا ذائقہ تو بالکل مٹی کے تیل جیسا ہے۔

بیرا: جناب، اگر اس کا ذائقہ مٹی کے تیل جیسا ہے تو پھر یہ چائے ہی ہے، کیوں کہ ہمارے ہاں کافی کا ذائقہ سرسوں کے تیل جیسا ہوتا ہے۔

محمد مسعود چیچیاں میرپور آزاد کشمیر

ہیڈ ماسٹر صاحب نے لڑکے کی پراگرس رپورٹ میں لکھا "آپ کا بیٹا بہت گندہ رہتا ہے۔ اس کے جسم سے سخت بدبُو آتی ہے۔"

جواب میں لڑکے کے باپ نے لکھا "میں اپنے بیٹے کو آپ کے پاس پڑھانے کے لیے بھیجتا ہُوں، سونگھنے کے لیے نہیں۔"

ذیشان احمد لاہور

خریدار: اس بھینس کی قیمت پانچ ہزار تو بہت زیادہ ہے

مالک: وہ کیسے؟

خریدار: اس کی ایک آنکھ نہیں ہے۔

مالک: آپ نے اس سے دودھ لینا ہے یا کشیدہ کاری کروانی ہے؟

فہد صابر، گھلن ضلع قصور

اسکاٹ لینڈ کے لوگ کنجوسی میں دنیا بھر میں مشہور ہیں۔ کہتے ہیں کہ ایک اسکاٹ کو ہسپتال میں لایا گیا تو ڈاکٹر نے اُس کی جیبوں میں ہاتھ ڈالنے کے بعد اعلان کیا کہ یہ مر چکا ہے۔

"وہ کِس طرح؟" لوگوں نے حیرت سے پُوچھا۔

ڈاکٹر نے جواب دیا۔ اگر کوئی اسکاٹ کی جیب میں ہاتھ ڈالے اور وہ خاموش لیٹا رہے تو سمجھ لیجیے کہ وہ مر چکا ہے۔"

اُسامہ بن رشید ٹمبر مارکیٹ لاہور

دماغ لڑاؤ

داؤدی علمی مُعمّا

ماہ مارچ ۱۹۸۹ء کا بنیادی لفظ :- گردشِ زمانہ

ہدایات

1. نوحرفی بنیادی لفظ کا بتانا ضروری ہے۔ غلط بنیادی لفظ والے حل مقابلے میں شریک نہ ہو سکیں گے۔ بنیادی لفظ شروع میں لکھا جائے۔
2. مرکز میں جو سفید حرف دیا گیا ہے، بدلتے ہوئے الفاظ میں اس حرف کا آنا لازمی ہے۔ (آگے پیچھے اور درمیان میں کہیں بھی)
3. الفاظ بامعنی ہونے چاہئیں۔
4. حل بھیجنے کی آخری تاریخ 10 جنوری 1989 ہے۔
5. اگر بنیادی لفظ کے حروف میں سب حروف الگ الگ ہوں تو تشدید والا لفظ غلط ہوگا۔ اگر ان میں ایک ہی قسم کے دو حروف آجائیں تو صرف اُن کو مشدد لکھا جا سکتا ہے۔
6. حل کرنے والے دوستوں کو خوب سمجھ لینا چاہیے کہ انعام رسلہ الفاظ کی تعداد پر نہیں بلکہ صحیح الفاظ کی کثرت پر دیا جاتا ہے۔
7. بے معنی الفاظ لکھنا اپنا اور ہمارا وقت ضائع کرنا ہے۔ اس سے پرہیز کریں۔
8. کسی لفظ کو دو بار لکھنا دھوکا ہے اس سے دونوں لفظ غلط ہو سکتے ہیں۔ اس سے بچا جائے۔
9. حل شدہ الفاظ کی تعداد ابتدا میں تحریر کی جائے یا ان کا نمبر شمار لکھا جائے۔
10. بغیر کوپن کے حل مقابلے میں شریک نہ ہو سکیں گے۔ کم سے کم 180 الفاظ بامعنی ہونے چاہئیں۔ تین حروف سے کم الفاظ ناقابل قبول ہوں گے۔

پہلا انعام ۱۵۰ روپے دوسرا ۷۵ روپے اور تیسرا ۵۰ روپے کی کتابیں۔

پہلا انعام : جمال عبدالناصر ولد محمد شفیق۔ محلہ عالم شاہ نمبر 5 پنڈ دادنخان ضلع جہلم — 248

دوسرا انعام : افتخار بھٹی گلی نمبر 73 مکان نمبر $\frac{680}{36}$ بزاز محلہ صدر بازار لاہور کینٹ — 220

تیسرا انعام : عطاء المحسن طاہر۔ محلہ عالم شاہ نمبر 2 پنڈ دادنخان ضلع جہلم — 200

پندرہ پندرہ روپے کی کتب حاصل کرنے والے کامیاب بچے

1	صدف حمید۔ صدر بازار لاہور کینٹ	197
2	ثاقب حسین زیدی مکان نمبر $\frac{680}{42}$ گلی نمبر 73 بزاز محلہ صدر بازار لاہور کینٹ	175
3	فریحہ زیدی صدر بازار لاہور کینٹ۔	170
4	فرحان عارف 341 سی سٹلائٹ ٹاؤن بہاول پور	163
5	محمد سعید ولد اسد خان محلہ بہلول خیل یاباں موضع بڈبیر ضلع پشاور	150
6	خرم سلیم عالمگیر $\frac{753}{ج}$ سٹلائٹ ٹاؤن بہاول پور	150
7	محمد عرفان مجید ولد عبدالمجید 16 برنسین کالونی رحیم یار خان	149
8	فرحانہ جبین اسلام آباد	146
9	فرخ شریف معرفت شریف اوپٹیکل شاہی بازار بہاول پور	143
10	نوشین مسعود نذیر علامہ اقبال ٹاؤن لاہور	138
11	محمد علی رشید زادہ کبریٰ میموریل سکول $\frac{459}{ج}$ سٹلائٹ ٹاؤن گوجرانوالہ	135
12	ظفر الحسن $\frac{268}{ج}$ سٹلائٹ ٹاؤن۔ بہاولپور	126
13	الینی آفندی D/5 نارتھ ناظم آباد کراچی	121
14	زیدہ بھٹی معرفت محمد عاشق بھٹی بلال پارک مصطفیٰ آباد باغبانپورہ لاہور	120
15	رانا عبدالحمید P-106 شاف کالونی انجینئرنگ یونیورسٹی جی ٹی روڈ لاہور	119
16	عاصم فاران 13 نور محمد سٹریٹ مکان نمبر 6 کاچھوپورہ لاہور	114
17	عزیز الرحمٰن مکان نمبر Z-A-141 عقب القمر فلور ملز نئی آبادی ڈھوک سنگٹال مظہر آباد راولپنڈی	114
18	سارہ سلیم اسلام آباد	113
19	شاراحمد S-2/626 سعود آباد ملیر کراچی	112
20	شہزاد گل معرفت دلشاد حسین منیجر باٹا شوسٹور سرفراز گنج مردان	110
21	عبدالغفار معرفت شبیر احمد کرپارام فیکٹری ٹیوشن سنٹر اوکاڑہ	101
22	سید محمد شمس الحق گنج شکر سٹریٹ نیو آبادی سیدپور ملتان روڈ لاہور	93
23	مہناز کنول پریسیر کالونی نزد ناظم آباد فیصل آباد	93
24	ثروت قیام $\frac{14\ G}{291}$ واہ کینٹ	92
25	خرم داؤد بہادر نگر فارم اوکاڑہ	88
26	مونا نازش سمن آباد۔ لاہور	88
27	زبیر فیصل سادات منزل خواجہ سٹریٹ ناصر کالونی لاجپت روڈ شاہدرہ لاہور	82
28	قمر ناز۔ ٹیر ہالٹ کراچی	80

باقی تمام بچوں کے صحیح الفاظ 80 سے کم تھے۔ اس لیے وہ مقابلے میں شریک نہیں ہو سکے۔

دماغ لڑاؤ

ہر حل کے ساتھ اس کوپن کا بھیجنا ضروری ہے۔ آخری تاریخ 10 اپریل ہے۔

نام _____ عمر _____

پتا _____

مقبول انور داؤدی

بُزدل، مکّار اور بہادر

عمرو بن معدی کرب عرب کا ایک مشہور دلیر، بہادر، نیزہ باز، تلوار کا دھنی اور بہترین شہسوار تھا۔ ڈاکہ زنی اس کا پیشہ تھا۔ لوگ اُس کا نام سنتے ہی تھر تھر کانپنے لگتے اور اپنی جان بچانے کے لیے کسی محفوظ مقام پر چھپ جاتے۔

جب سرزمینِ عرب میں اسلام کا سُورج طلوع ہُوا تو حضرت ابُوذر غفاریؓ کی طرح عمرو بن معدی کرب بھی مسلمان ہوگیا اور تمام بُرائیوں سے توبہ کر لی۔

حضرت عُمر فاروق رضی اللہ عنہٗ کا دورِ خلافت تھا ایک مرتبہ آپ کی مجلس میں عمرو بن معدی کرب بھی بیٹھے تھے۔ حضرت عُمر فاروق رضؓ نے عمرو سے پُوچھا "تمھیں اپنی زندگی میں کئی قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑا ہوگا۔ کیا کبھی کسی بُزدِل، مکّار اور بہادُر دشمن سے بھی واسطہ پڑا؟"

عمرو کہنے لگے، امیرالمؤمنین مجھے ان تینوں قسم کے لوگوں سے واسطہ پڑا ہے۔ اب سُنیئے ایک بُزدل انسان کی کہانی:

میں لُوٹ مار کی غرض سے اپنے تیز رفتار گھوڑے پر سوار نیزہ تانے جا رہا تھا کہ راہ میں ایک بڑے ڈیل ڈول کا آدمی مل گیا۔ وہ زمین پر بیٹھا ہُوا تھا۔ میں نے للکار کر کہا "ہوشیار ہوجاؤ۔ میں تمھیں قتل کردوں گا۔" اُس نے کہا "تم ہو کون؟" میں نے جواب میں کہا "میں عمرو بن معدی کرب ہُوں۔" یہ سُنتے ہی اُس نے ایک زوردار سسکی لی اور وہیں دم توڑ دیا۔ امیرالمؤمنین! میں نے عرب میں اُس سے زیادہ کوئی بُزدِل نہیں دیکھا۔"

اب ایک مکّار کی بات بھی سُن لیجیے۔ میں اپنے معمول کے مطابق اپنے گھوڑے پر سوار جا رہا تھا۔ میرا نیزہ ہوا میں لہرا رہا تھا۔ میں ایک قبیلے کے پڑاؤ کے قریب پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک آدمی ایک گڑھے میں بیٹھا ہُوا ہے۔ میں نے للکار کر کہا "ہوشیار ہوجاؤ۔ میں تمھیں زندہ نہیں چھوڑوں گا۔" اُس نے پُوچھا "تم کون ہو؟" میں نے بتایا کہ میں عمرو بن معدی کرب ہُوں۔ اُس نے کہا کہ اے ابوثور! یہ کوئی اِنصاف ہے کہ تم گھوڑے پر سوار ہو اور میں گڑھے میں پڑا ہُوں۔ اِن حالات میں تم مجھے مُقابلے کی دعوت دے رہے ہو۔ تم مجھ سے وعدہ کرو کہ جب تک میں بھی تمھاری طرح گھوڑے پر سوار نہ ہوں اور اپنے ہتھیار نہ سنبھال لُوں، تم مجھ پر حملہ نہیں کروگے اور نہ ہی قتل کروگے۔ امیرالمومنین! میں نے اُس سے وعدہ کرلیا کہ جب تک تو گھوڑے پر سوار ہوکر اپنے ہتھیار نہ سنبھال لے گا نہ تو تجھ پر حملہ کروں گا اور نہ تجھے قتل کروں گا۔

تھوڑی دیر کے بعد وہ گڑھے سے باہر نکلا۔ تلوار اُس کے پاس تھی۔ باہر نکل کر وہ ایک جگہ بیٹھ گیا۔

میں نے کہا "یہ کیا، تم تو بیٹھ گئے ہو؟" اُس نے کہا کہ نہ میں گھوڑے پر سوار ہوں گا اور نہ ہی میں تمھارے ساتھ لڑائی کروں گا۔ اور اگر تم نے اپنے وعدہ کے خلاف کچھ کیا اور مجھے قتل کردیا تو تمھارے جیسے عرب جوان کی کیا حیثیت ہوگی۔ چنانچہ میں اُسے چھوڑ کر آگے کو چل دیا۔ تو امیرالمومنین! یہ تھا ایک مکّار آدمی۔ ایسا آدمی میں نے زندگی بھر نہیں دیکھا۔

امیرالمؤمنین! اب میں ایک بہادُر اور دلیر آدمی کا واقعہ آپ کی خدمت میں پیش کروں گا۔

ایک روز میں اپنی عادت کے مطابق لُوٹ مار کے لیے نکلا اور ایک ایسی جگہ آیا جہاں میں پہلے بھی کئی وارداتیں کرچکا تھا۔ دُور تک نظر دوڑائی لیکن مجھے کوئی آدمی وہاں نظر نہ آیا۔ میں گھوڑے پر سوار دائیں بائیں آگے پیچھے گھوڑا دوڑا رہا تھا کہ دُور سے مجھے ایک گھُڑ سوار نظر آیا۔ جب وہ میرے قریب پہنچا تو میں نے دیکھا کہ ایک نوجوان یمامہ کی طرف جا رہا ہے جب وہ میرے اور قریب پہنچا تو اُس نے مجھے سلام کیا۔ میں نے بھی اُس کے سلام کا جواب دیا۔ اِس کے بعد میں نے اُس سے پُوچھا کہ اے نوجوان تو کون ہے؟ اُس نے جواب میں کہا کہ میرا نام حارث بن سعد ہے۔ میں نے بلند آواز سے کہا "اے نوجوان ہوشیار ہوجا اپنا دِفاع کرلے میں تجھ پر حملہ کرنے والا ہوں۔" نوجوان نے نفرت سے کہا "تیرا ستیاناس تُو کون ہے؟" میں نے جواب دیا "میں عمرو بن معدی کرب ہوں جس کے نام سے لوگ خوف کھاتے ہیں۔" وہ بڑی حقارت سے بولا "بڑے ذلیل اور گھٹیا اِنسان ہو۔ خدا

کی قسم تمھارا یہ گھٹیا پن ہی مجھے لڑنے سے روک رہا ہے۔ جو خود اپنی نظروں میں ذلیل ہے۔ اس کے الفاظ تیر و نشتر بن کر میرے کلیجے میں چبھ رہے تھے۔ اُس کی گفتگو میرے لیے ایک بہت بڑا بوجھ بن گئی تھی۔

میں نے کڑک کر کہا "میں جو کچھ بھی ہوں، اب تم تیار ہو جاؤ۔ اب یہاں سے ایک ہی زندہ بچ کر جا سکتا ہے۔" اُس نوجوان نے بڑی حقارت سے کہا "چل دُور ہٹ تیری آل تجھے روئے۔ میں اُس خاندان کا نوجوان ہوں جس نے کبھی کسی بڑے سے بڑے بہادر کے سامنے بُزدلی نہیں دکھائی اور نہ کسی سے شکست تسلیم کی ہے۔" پھر اُس نے کہا کہ اگر تجھے لڑنے کا اتنا ہی شوق ہے تو عرب کے دستور کے مُطابق یا تو میں پہلے تیرے آگے گھوڑا دوڑاؤں اور تُو مجھ پر حملہ کرے یا تُو میرے آگے گھوڑا دوڑائے اور میں تجھ پر حملہ کروں۔

میں نے اس کو غنیمت سمجھتے ہوئے اس نوجوان سے کہا کہ وہ گھوڑا دوڑائے اور میں اُس پر حملہ کروں گا۔

چنانچہ اُس نے گھوڑے کو ایڑ لگائی اور میرے آگے گھوڑا دوڑانے لگا۔ میں نے اس کے پیچھے گھوڑا ڈال کر اُس پر نیزے کا وار کیا۔ میرا یہ خیال تھا کہ میں نے اپنا نیزہ اُس کے کندھوں میں گاڑ دیا ہے، لیکن کیا دیکھتا ہوں کہ وہ گھوڑے کی زین سے اس قدر باہر نکل کر ایک طرف جھک گیا کہ گویا وہ گھوڑے کی زین کی پیٹی ہو۔ اس طرح میرا یہ وار خالی گیا۔

اب میں اُس کے آگے گھوڑا دوڑا رہا تھا اور وہ میرے پیچھے تھا۔ اُس نے میرے سر پر اُوپر سے نیزے کی ایک ضرب لگائی۔ اس نے میرے جسم میں نیزہ گھونپا نہیں اور کہنے لگا "اے عمرو! میں نے ایک دفعہ چھوڑ دیا۔ خدا کی قسم! میں تیرے جیسے لوگوں کو قتل کرنا ناپسند کرتا ہوں ورنہ تجھے اِسی وار میں قتل کر سکتا تھا۔"

امیر المؤمنین! اب تو میں خود اپنی نظروں میں ذلیل ہو رہا تھا۔ اور اس وقت مجھے اپنے آپ سے نفرت ہو رہی تھی۔ امیر المؤمنین! میں سوچ رہا تھا کہ اِس ذلّت کی زندگی سے تو بہتر تھا کہ وہ مجھے ہلاک کر دیتا۔ میں نے للکار کر اس نوجوان سے کہا "اب فیصلہ ہو ہی جانا چاہیے۔ یا تُو زندہ رہے گا یا میں۔"

نوجوان نے مسکراتے ہوئے کہا کہ اب میں پھر تمھیں یہ اختیار دیتا ہوں کہ تم آگے دوڑو گے یا میں دوڑوں۔ میں نے کہا "تم ہی میرے آگے اپنا گھوڑا دوڑاؤ۔" نوجوان نے گھوڑا دوڑایا۔ میرا خیال تھا کہ اب میں اُس پر غالب آجاؤں گا۔ میں نے اُس کے پیچھے گھوڑا دوڑایا۔ میں نے اپنا نیزہ اس کی پشت پر مارا۔ میرا خیال تھا کہ نیزہ اُس کے کندھوں کے آر پار نکل گیا ہوگا۔ لیکن کیا دیکھتا ہوں کہ وہ آگے نکل کر گھوڑے کی گردن کے نیچے چپکا ہُوا ہے۔ یُوں معلوم ہوتا تھا کہ وہ گھوڑے کی گردن کے نیچے بندھی ہوئی پیٹی ہے۔

اب میں شرم و ندامت سے مر رہا تھا۔ اب اُس نے کہا "عمرو! اب تم آگے گھوڑا دوڑاؤ۔" میں نے اُس کے آگے گھوڑا دوڑایا۔ وہ میرے پیچھے اپنا گھوڑا دوڑا رہا تھا۔ پہلے کی طرح اب کے بھی اُس نے میرے سر پر نیزے کی ضرب لگائی اور پکار کر بولا "اے عمرو! اب کی بار بھی میں نے تم کو قتل نہیں کیا۔ میں تمھارے جیسے لوگوں کو قتل کرنا پسند نہیں کرتا۔ اگر میں نے تجھے قتل کرنا ہوتا تو قتل کرنا کوئی مشکل کام نہ تھا۔"

اب میں نے منّت کرتے ہوئے اُس نوجوان سے کہا "اب تم مجھے قتل ہی کر دو۔ میرے لیے یہی بہتر ہے۔ اب میں عرب کے بہادروں کو کیا منہ دکھاؤں گا۔ میرے لیے زندگی سے اب موت ہی بہتر ہے۔"

اُس نوجوان نے کہا "اے عمرو! اگر اب تُو میرے مقابلے پر آیا تو میں ضرور تجھے قتل کر دوں گا۔" اور اُس نے یہ اشعار پڑھے:

اے عمرو! اگر اب تم نے نیزہ بازی کی اور میرے مقابلے پر آئے تو میں قسم کھاتا ہُوں کہ

یا تو میں تمھارے منہ میں نیزے کی اتنی گھونپ دوں گا یا پھر میں بنی شیبان میں سے نہیں ہوں گا۔

اب مجھ پر ایک ہیبت طاری ہو گئی۔ مجھے موت سے نفرت ہونے لگی۔ میں زندہ رہنا چاہتا تھا۔ میں نے اس نوجوان سے کہا کہ میری ایک درخواست ہے۔ نوجوان نے کہا "اپنی خواہش بتاؤ۔ پوری کی جائے گی۔"

میں نے کہا "میں چاہتا ہُوں کہ تم میرے دوست بن جاؤ۔" اُس نے حقارت سے کہا کہ تم میرے دوست بننے کے قابل نہیں ہو۔

امیر المؤمنین! خدا کی قسم اُس کی یہ بات تو مجھ پر اس سے بھی زیادہ گراں گزری۔ میں برابر اِصرار کیے جا رہا تھا۔ آخر اُس نے کہا "خدا تجھے غارت کرے۔ تجھے پتا ہے میں کہاں جا رہا ہوں؟ میں مرنے جا رہا ہوں۔" میں نے کہا "تمھارے ساتھ مجھے بھی موت منظور ہے۔ پہلے میں مروں گا۔ اس کے بعد تم۔" اُس نوجوان نے کہا "لاؤ ہاتھ۔ اب تم میرے دوست ہو۔" (اخبار العرب)

سائنس

محمد اقبال ثاقب

زمین پر زندگی کی ابتدا

کبھی کبھی آپ کے ذہن میں یہ سوال ضرور اٹھتا ہوگا کہ ہماری زمین پر یہ خوبصورت پودے اور طرح طرح کے جانور کیسے وجود میں آئے؟ اس مضمون میں ہم آپ کو بتائیں گے کہ ہماری دُنیا میں یہ سب حیوانات اور نباتات کیسے پیدا ہوئے؟

یہ تو آپ جانتے ہیں کہ دنیا کی ہر شے کو اللہ نے بنایا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ان تمام اشیا کو ایک خاص نظام کے تحت پیدا کیا ہے۔ سب سے پہلے چھوٹی چھوٹی چیزیں بنیں اور اُن میں حسبِ ضرورت تبدیلیاں واقع ہوئیں اور طرح طرح کے خوبصورت پودے اور جانور بن گئے۔ آیئے دیکھتے ہیں کہ یہ تبدیلیاں کیسے رونما ہوئیں؟

لاکھوں سال پہلے کی دنیا میں زندگی کے بارے میں تمام اندازے "فاسلز" (FOSSILS) کی مدد سے لگائے گئے ہیں۔ آپ سوچتے ہوں گے کہ "فاسلز" کیا ہوتے ہیں؟ "فاسلز" جانوروں اور پودوں کے وہ اجسام ہیں جو صدیوں زمین کی تہوں میں دبے رہنے کے بعد پتھر ہو گئے اور آج تک ہمارے پاس موجود ہیں۔ ان "فاسلز" سے اندازہ لگایا گیا ہے کہ ہماری زمین پر لاکھوں سال پہلے کوئی جاندار چیز نہیں تھی۔ بلکہ یہ زمین ویران چٹانوں اور پہاڑوں پر مشتمل تھی پھر آہستہ آہستہ سمندر میں زندگی کے آثار نمودار ہوئے۔ سب سے پہلے ایسی ننھی منھی جاندار اشیا وجود میں آئیں جن کو سوائے خوردبین کے دیکھا نہیں جا سکتا۔ پھر ان چھوٹے چھوٹے جانداروں سے سمندر میں پودے اور جانور نمودار ہوئے۔ سمندری جانوروں نے پودوں کو غذا کے طور پر استعمال کیا اور بڑی بڑی مچھلیاں، کیکڑے اور دوسری سمندری مخلوق وجود میں آئی۔ گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ سب سے پہلے زندگی کا آغاز سمندر میں ہُوا۔

خشکی پر زندگی: جب سمندر میں ایسے سمندری پودوں کی بہتات ہوگئی، جو پانی میں رہنے کے علاوہ خشکی پر بھی رہ سکتے تھے تو ایسے پودوں نے سمندر کے کنارے چٹانوں پر اُگنا شروع کر دیا۔ جب یہ پودے مر گئے تو گل سڑ کر ساحلی ریت اور سنگ ریزوں کے ساتھ مل گئے۔ اس طرح سے ساحل سمندر پر ایسی مٹی وجود میں آئی جس میں دوسرے پودے اچھی طرح سے پھل پھول سکتے تھے۔ اس مٹی میں نئے پودوں نے بڑی تیزی سے اُگنا شروع کیا۔ اور بڑے بڑے جنگلوں کی شکل اختیار کر لی۔ اس طرح انسان سے پہلے پودوں نے خشکی پر قدم رکھا۔

پانی سے خشکی کی طرف: ساحل سمندر پر درخت اُگنے کے بعد سمندری مخلوق میں ایسے کیڑے مکوڑے پیدا ہو گئے جو پانی کے باہر بھی سانس لے سکتے تھے۔ یہ کیڑے مکوڑے غذا کی تلاش میں سمندر کے کناروں پر آئے اور ساحلی پودوں کو کھانا شروع کر دیا۔ اسی دوران مچھلیوں کی ایسی اقسام پیدا ہو گئیں جن کے گل پھڑے بھی تھے اور پھیپھڑے بھی۔ گلپھڑوں کی مدد سے وہ پانی کے اندر سانس لے سکتی تھیں اور پھیپھڑوں کی مدد سے پانی کے باہر۔ جب کچھ تالابوں کا پانی خشک ہو گیا تو ان مچھلیوں نے پانی سے باہر سانس لینا شروع کر دیا اور آہستہ آہستہ دوسرے تالابوں میں جانے کے لیے اپنے تیرنے والے پنکھ نما پروں کو پیروں کے طور پر استعمال کیا۔ پھر آہستہ آہستہ مچھلیوں کے یہ پر پیروں میں تبدیل ہو گئے۔ یہ پیروں والے جانور پانی اور خشکی دونوں پر زندہ رہ سکتے تھے۔ ایسے جانوروں کو جل تھلیے

(AMPHIBIANS) کہتے ہیں۔ یہ جانور پانی کے باہر زندہ تو رہ سکتے تھے مگر انڈے دینے کے لیے ان کو پانی میں واپس جانا پڑتا تھا۔

جل تھلیے جانوروں سے رینگنے والے جانور (REPTILES) وجود میں آئے جو کہ مکمل طور پر پانی کے باہر زندہ رہ سکتے تھے۔ ان جانوروں نے سخت خول والے انڈے خشکی پر دینے شروع کر دیئے۔ آجکل کے رینگنے والے جانور مثلاً چھپکلی، سانپ، کچھوا اور مگرمچھ وغیرہ جسامت کے لحاظ سے بہت چھوٹے ہیں۔ جبکہ زمانہ قدیم کے رینگنے والے جانور مثلاً "ڈائینوسار" بہت ڈراونے اور بھاری بھرکم جانور تھے۔ مگر آجکل یہ جانور ناپید ہیں۔

پرندے ۔ اب خشکی پر رینگنے والے جانوروں کی بہتات ہوگئی تھی لیکن فضا بالکل خالی تھی۔ آہستہ آہستہ رینگنے والے جانوروں میں سے بعض جانور پرندوں میں تبدیل ہونا شروع ہوگئے۔ سب سے پہلے چھپکلی نما پرندے وجود میں آئے۔ اُن کے جبڑے بھی تھے اور دُم بھی تھی۔ صرف بازوؤں پر، پَر اُگ آئے تھے جن کی بدولت وہ تھوڑا بہت اُڑ سکتے تھے۔ اس کے بعد مکمل پرندے وجود میں آئے۔ ان کے جبڑے چونچوں میں بدل گئے اور دم غائب ہوگئی۔ چونچ اور پیروں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے پر نکل آئے جو اُن کے جسم کو گرم رکھتے تھے۔ اب یہ پرندے ہلکے تھے اور فضاؤں میں آسانی سے اُڑ سکتے تھے۔

میمل (MAMMALS) رینگنے والے جانوروں کے بعد ایسے جانور وجود میں آئے جو مکمل طور پر پانی سے بے نیاز تھے۔ یہ جانور انڈے دینے کی بجائے بچے دیتے تھے اور اُنہیں دودھ پلاتے تھے۔ ان جانوروں کو میمل کہا جاتا ہے۔ ان کو اب انڈے دینے کے لیے پانی میں جانے کی ضرورت نہیں تھی۔ ابتدا میں ان کے جسموں پر لمبے لمبے بال تھے۔ انسان سمیت گھوڑا، ہاتھی، بندر، شیر، چیتا وغیرہ سب میمل ہیں۔

اب آپ سمجھ گئے ہوں گے کہ زندگی کس طرح سمندر سے شروع ہوئی اور کن مراحل سے گذرتی ہوئی خشکی تک پہنچی۔

آپ کا خط ملا

مارچ کا شمارہ پڑھ کر دل باغ باغ ہوگیا۔ کہانیوں میں ایک دن کا بادشاہ' دوست ہو تو ایسا ہو' روشنائی کا دھبہ' بوجھ اور اکھڑ عادت کی بربادی بہت پسند آئیں۔ اور پراسرار نقاب پوش تو اتنی پسند آئی کہ بیان نہیں کر سکتا۔ سرورق کچھ خاص نہیں تھا داؤدی علمی معما ہمیں اچھا نہیں لگتا۔ اس کے بجائے اور کوئی سلسلہ شروع کر دیں۔

(اعجاز احمد پیرزادہ..... پاکپتن شریف)

مارچ کا رسالہ بہت دلچسپ تھا خاص کر ایک دن کا بادشاہ' لنگڑا بھیڑیا' دوست ہو تو ایسا' روشنائی کا دھبا' سچ کا ڈنڈا اور اکھڑ عادت کی بربادی کہانیاں بہت پسند آئیں۔

(محمد امین عاقب..... قادر پوراں)

مارچ کا شمارہ حسب معمول یکسانیت کا شکار تھا۔ تمام کہانیاں مخصوص موضوع کی ہوتی ہیں۔ پہلی کہانی پرانے زمانے کی ہوتی ہے' دوسری کہانی ہر دفعہ شکار سے متعلق ہوتی ہے "آپ بھی لکھئے" کی کہانیاں بھی ایک ہی موضوع کی ہوتی ہیں

(شازیہ نورین..... بہاول پور)

سرورق اچھا تھا "روشنائی کا دھبا' دوست ہو تو ایسا ہو' سچ کا ڈنڈا' کہانیاں اچھی تھیں۔ لیکن "ایک دن کا بادشاہ" کہانی نے بہت متاثر کیا "پراسرار نقاب پوش" سلسلہ چاند کی طرح چمک رہا ہے۔ ٹیپو سلطان کی کہانی اور لطائف بھی پسند آئے۔"

(محمد مسعود عرف کاکا..... چیچسیاں آزاد کشمیر)

سرورق خوب صورت تھا۔ کہانیوں میں ایک دن کا بادشاہ' لنگڑا بھیڑیا' دوست ہو تو ایسا ہو' پراسرار نقاب پوش' بوجھ اور ٹیپو سلطان پسند آئیں' مضمون پہیہ بھی پسند آیا۔

(عدیل احمد..... واہ کینٹ)

مارچ کا شمارہ پڑھا بہت خوشی ہوئی۔ ایک دن کا بادشاہ' کافی مزاحیہ تھی' دوست ہو تو ایسا ہو' بھی بہت اچھی تھی۔ لطیفے کچھ اچھے نہ تھے۔ معلومات اور ظہیر الدین بابر کے بارے میں مضمون اچھا تھا۔ الغرض سارا رسالہ دلچسپ تھا۔

(محمد نذیر رجانہ..... ٹوبہ ٹیک سنگھ)

مارچ کا تعلیم و تربیت بہت ہی اچھا لگا۔ کہانی "دوست ہو تو ایسا ہو' بہت پسند آئی۔ ٹیبل ٹینس کے بارے میں پڑھ کر میری معلومات میں اضافہ ہوا۔ ناول پراسرار نقاب پوش" تو اب اور زیادہ دلچسپ ہو گیا ہے۔

(ناہید حق..... نوشہرہ)

کہانیوں میں ایک دن کا بادشاہ' دوست ہو تو ایسا ہو' اور روشنائی کا دھبا بہت پسند آئیں۔ اس کے علاوہ قرآن کہانی بھی بہت اچھی تھی۔ آیئے مسکرائیں میں کوئی خاص مزہ نہیں آیا۔ اگر سرورق پر کسی عظیم لیڈر کی فوٹو دے دیا کریں تو بہت اچھا ہو گا۔

(ملک منظور جاوید..... شاہین بازار پشاور)

مارچ کا سرورق خوب صورت تھا۔ بہار آئی' لنگڑا بھیڑیا' دوست ہو تو ایسا ہو' روشنائی کا دھبا' جہاز کا اغوا' اور ٹیبل ٹینس بہت اچھی تحریریں تھیں لطیفوں کے معیار کو بہتر بنانے کی ضرورت ہے۔

(نعیم اللہ اعوان..... چک نمبر 301 ج۔ ب تحصیل گوجرہ)

ہم بھی عظمیٰ مقصود کی رائے سے متفق ہیں اس طرح لڑکیوں کو کھانے بنانے میں آسانی رہے گی ہمیں امید ہے کہ ہمارے اور بہن بھائی بھی اس رائے کی تائید کریں گے۔ اس ماہ کی کہانیوں میں پراسرار نقاب پوش ایک دن کا بادشاہ' بوجھ اور دوست ہو تو ایسا ہو پسند آئیں

(نائیلہ عمران..... لاہور)

مارچ کا تعلیم و تربیت خریدا۔ پسند آیا۔ سب تحریریں اچھی تھیں مگر رسالے میں شعر و شاعری کی بہت کمی ہے۔ یہ پوری کر دی جائے تو تعلیم و تربیت پہلے سے بھی بہتر ہو سکتا ہے۔

(ایم ارشد ثمین..... رسول پور فیصل آباد)

لنگڑا بھیڑیا ایک دن کا بادشاہ' اور بوجھ اچھی کہانیاں تھیں۔ آپ نے ہونہار مصور میں نادیہ جمیل گل کو پسلا انعام دیا ہے' حالانکہ شہباز علی کی تصویر بھی بہت خوب صورت تھی۔ اول انعام کے حقدار وہ ہیں۔ مارچ کے شمارے میں آپ کا خط ملا میں ایک صاحب نے لکھا ہے کہ دوست محمد صاحب کی کہانی نقل شدہ ہے۔ یہ بات صحیح ہے۔ یہ کہانی کراچی کے ایک رسالے میں شائع ہو چکی ہے۔

(محمد طاہر..... ڈیرہ اسماعیل خان)

ماہ مارچ کا چاند سا تعلیم و تربیت جب ہاتھ لگا تو دل کے آنگن میں خوشی کے گلاب کھل اٹھے۔ سرورق بہت حسین تھا۔ پراسرار نقاب پوش بہت اچھی جا رہی ہے۔ دوست ہو تو ایسا ہو' ایک عظیم انسان' بوجھ اور اکھڑ عادت کی بربادی' بہت دلچسپ کہانیاں ہیں۔

(علی حسنین..... اسلام آباد)

سرورق اچھا تھا۔ کہانیوں میں "ایک دن کا بادشاہ' بہت دلچسپ کہانی تھی۔ لنگڑا بھیڑیا دوست ہو تو ایسا ہو اور روشنائی کا دھبا بھی بہت اچھی تھیں۔ اس مرتبہ لطیفے بھی کچھ اچھے تھے۔ پراسرار نقاب پوش بھی اچھی جا رہی ہے۔ قرآنی کہانیاں اور جانوروں کے متعلق معلومات اچھے سلسلے ہیں۔ سچ کا ڈنڈا بھی بہت اچھی پہیلی تھی۔ مجموعی طور پر رسالہ بہت اچھا تھا۔ (عطیہ رحمان..... اسلام آباد)

سرورق دیکھ کر دل باغ باغ ہو گیا۔ "لنگڑا بھیڑیا' دوست ہو تو ایسا ہو' ایک عظیم انسان' اور سلسلے وار کہانی پراسرار نقاب پوش" کی تعریف کے لئے الفاظ نہیں مل رہے۔ مضمون پہیا' بندر' ٹیبل ٹینس اور دلچسپ اور عجیب کا بھی جواب نہیں۔

(محمد رضوان..... اورنگی ٹاؤن کراچی)

4 تاریخ کو تعلیم و تربیت ملا مزہ ہی آ گیا۔ لیکن اس دفعہ سرورق اچھا نہ تھا۔ کہانیوں میں ایک دن کا بادشاہ، لنگڑا بھیڑیا، اور نظم بہار آئی بہت پسند آئی۔ داؤدی علمی معما کو ختم کر دیں بالکل بور ہے (خالد فاروق..... نیو چوبرجی پارک لاہور)

جناب! یہ کہاں کا انصاف ہے کہ پورا مہینہ رسالے کا انتظار کرو اور رسالہ جب ہاتھ آتا ہے تو تین گھنٹے میں ہی ختم ہو جاتا ہے میں آپ سے گزارش کرتا ہوں کہ یا تو رسالے کے صفحات بڑھا دیں یا مہینے میں دو رسالے نکالا کریں۔

(ذیشان الحق عزیز..... پشاور)

سرورق اچھا لگا اور سرورق کی کہانی بھی پسند آئی۔ سچ کا ڈنڈا، قرآنی کہانی، روشنائی کا دھبا اور ایک عظیم انسان بہت دلچسپ کہانیاں ہیں۔ نقاب پوش اس بار بھی بازی لے گیا۔ داؤدی علمی معما ختم کر دیں اس کی جگہ اور کچھ چھاپیں۔

(سید علی سلمان..... ناظم آباد کراچی)

رسالے کا سرورق نہایت جاندار تھا۔ تمام کہانیاں خصوصاً دوست ہو تو ایسا ہو، لنگڑا بھیڑیا، اور ایک عظیم انسان، بہترین کہانیاں تھیں لطائف حسب معمول معیاری تھے۔ نقاب پوش بھی اچھی جا رہی ہے۔

(اعجاز احمد انجم..... کھلابٹ ہری پور ہزارہ)

تعلیم و تربیت پاکستان میں چھپنے والے تمام رسالوں سے زیادہ حسین ہے اسے دیکھ کر آنکھیں خیرہ ہو جاتیں ہیں

(طیبہ حسن..... جھنگ صدر)

مارچ کا شمارہ دیکھ کر دل کھل اٹھا۔ ایک دن کا بادشاہ، روشنائی کا دھبا، دوست ہو تو ایسا ہو اور بوجھ کہانیاں بہت پسند آئیں۔ میں بھی ایک کہانی بھیج رہی ہوں۔ معیار پر پوری اترے تو ضرور شائع کریں۔

(نورین انور..... اسلام آباد)

مارچ کا شمارہ دیکھا تو دل دھک سے رہ گیا۔ کیوں کہ سرورق کی تصویر خوف ناک قسم کی تھی۔ لیکن اندر سے رسالہ دیکھا تو دل بہت خوش ہوا۔ اس دفعہ پھر پُراسرار نقاب پوش بازی لے گیا۔ "آپ بھی لکھئے" کی کہانیاں بھی اچھی تھیں۔ لیکن ان کے انعامات کی ترتیب غلط تھی اور یہ ہی حال "ہونہار مصور" کا تھا۔ اس میں بھی انعامات کی ترتیب غلط تھی۔

(فرخ شریف..... شاہی بازار بہاولپور)

ٹائیٹل بہت خوف ناک تھا۔ اس بار بھی پراسرار نقاب پوش بازی لے گیا۔ ایک دن کا بادشاہ اور لنگڑا بھیڑیا بہت اچھی کہانیاں تھیں لیکن آپ نے داؤدی علمی معما بہت مشکل کر دیا ہے۔ اسے آسان کر دیجئے۔

(ثاقب حسین زیدی..... لاہور چھاؤنی)

اس دفعہ تمام کہانیاں مزے کی تھیں۔ لنگڑا بھیڑیا، ایک دن کا بادشاہ، دوست ہو تو ایسا ہو، ایک عظیم انسان وغیرہ بہت پسند آئیں۔ لطیفے بھی بس اچھے ہی تھے۔

داؤدی علمی معما ختم کر کے سوال جواب کا سلسلہ شروع کریں۔

(محمد عاقل احمد خان..... پرانا سکھر)

مارچ کا تعلیم و تربیت بے حد پسند آیا۔ لنگڑا بھیڑیا کا سرورق بہت پیارا لگا کہانیوں میں سب سے اچھی کہانی "بوجھ" تھی۔ "پراسرار نقاب پوش" کا بھی جواب نہیں ویسے میری بھی یہی رائے ہیں کہ داؤدی علمی معما ختم کر کے اس کی جگہ کوئی اور انعامی مقابلہ شروع کیا جائے۔

(مختار علی..... چیمبرلین روڈ لاہور)

اس بار رسالہ 28 تاریخ کو ہی مل گیا سرورق اچھا تھا۔ کہانیاں بھی اچھی تھیں پر اسرار نقاب پوش اور ٹیپو سلطان "کامک" کا تو جواب ہی نہیں۔

(نعیم افضل..... اسلام آباد)

مجھے ٹیپو سلطان ایک دن کا بادشاہ، لنگڑا بھیڑیا، دوست ہو تو ایسا ہو، پراسرار نقاب پوش، سچ کا ڈنڈا، کہانیاں بہت اچھی لگیں۔ اس کے علاوہ لطیفے بھی بہت مزے دار تھے۔

(نادیہ کریم خان..... گلبرگ لاہور)

رسالے میں تصویروں کی بھرمار ہو گئی ہے آپ لوگ کم از کم قرآنی کہانیوں کے ساتھ تو تصویریں نہ دیا کریں حضرت نوحؑ کی کشتی اور اسی طرح دوسری قرآنی کہانیوں کے ساتھ فرضی تصاویر سخت ناگوار گزرتی ہیں براہ مہربانی میری یہ شکایت فوراً دور کر دیں۔

(شائستہ انجم..... فیڈرل بی ایریا کراچی)

آپ کا خط ملا میں ایک صاحب نے دوست محمد کی نقل شدہ کہانی کا ذکر کیا ہے اگر دوست محمد صاحب نے واقعی ایسی حرکت کی ہے تو اس کی جتنی بھی مذمت کی جائے کم ہے۔ انہیں یہ تو سوچ لینا چاہئے تھا کہ وہ کیا کر رہے ہیں پرچہ مجموعی طور پر بہت ہی اچھا تھا۔

(ساجد کمالوی..... کمالیہ)

مارچ کا شمارہ بہت پسند آیا لنگڑا بھیڑیا، دوست ہو تو ایسا ہو، ایک عظیم انسان اور پر اسرار نقاب پوش کہانیاں بہت اچھی لگیں۔ میری دلی دعا ہے کہ خدا تعالیٰ اس رسالے کو پاکستان کے بچوں میں زیادہ سے زیادہ ہر دل عزیز کرے۔

(مہدی حسن..... اردو بازار بھکر)

آپ بھی لکھیے

مارچ 1989 کے مقابلے میں
انعام پانے والی کہانیاں

اپریل فول

منزہ جبیں خانیوال

ہمیں اچھی طرح یاد ہے وہ دن جب ہم نے اپنی گناہ گار آنکھوں سے اپنی نہایت ذہین اور چالاک باجی جان کی تمام اکڑفوں خاک میں ملتے دیکھی۔ جی ہاں، وہ یکم اپریل کا ہی دن تھا۔ تو جناب ہوا یوں کہ ہم تقریباً بارہ بجے دوپہر کا کھانا کھانے کی غرض سے کچن کی طرف گئے۔ ابھی ہمارا ایک قدم دروازے کے اندر اور ایک باہر ہی تھا کہ یک لخت ایک ہولناک چیخ نے ہمیں اپنی طرف متوجہ کیا۔ ہم بھاگ کر مین گیٹ کی جانب گئے۔ کیونکہ آواز وہیں سے آئی تھی۔ وہاں ہم نے جو منظر دیکھا تو بے اختیار ہنسی کا دورہ پڑا اور ہم ہنستے ہی چلے گئے۔

دراصل گیٹ کے قریب ہی باجی چاروں شانے چت زمین پر پڑی تھیں۔ پاس ہی ایک خوب صورت سے کور والا پیکٹ پڑا ہوا تھا۔ اور اس میں سے سرخ سرخ لال بیگ نکل کر ادھر ادھر پھر رہے تھے۔ اصل میں ہوا یہ کہ باجی کی ایک سہیلی کو کہیں سے ان کی اس کمزوری کا پتہ چل گیا تھا کہ وہ لال بیگ سے بہت ڈرتی ہیں۔ سو انہوں نے یہ پیکٹ بھجوایا تھا۔ باجی نے مارے خوشی کے اسے وہیں کھول ڈالا اور جب اندر سے سینکڑوں کی تعداد میں لال بیگ رینگتے دیکھے تو چیخ مار کر بھاگیں۔ اچانک ان کا پاؤں قریب پڑی ہوئی اینٹ سے ٹکرایا اور وہ دھڑام سے زمین پر گر پڑیں۔

اسی دن شام کو پانچ بجے باجی کی کسی سہیلی کی سالگرہ تھی۔ وہ ساڑھے چار بجے ہی تیار ہو گئیں اور پھر انہوں نے گفٹ پیک کے اندر، ہماری مدد سے، وہی لال بیگ بند کئے جو ان کی کسی سہیلی نے انہیں بھیجے تھے۔ ٹھیک پانچ بجے ہم ان کی سہیلی کے گھر پہنچے اور کال بیل پر ہاتھ رکھا۔ تین چار بار بیل بجائی مگر جواب ندارد۔ آخر ایک ملازم باہر آیا۔ باجی کے پوچھنے پر اس نے بتایا کہ سب گھر والے کہیں باہر گئے ہیں اور گھر میں کوئی سالگرہ وغیرہ نہیں ہے!

باجی ایک بار پھر چکما کھا چکی تھیں۔ جنہیں وہ فول بنانے چلی تھیں وہ خود انہیں فول بنا گئیں۔

(پہلا انعام: 50 روپے کی کتابیں)

(2)

سلمان الیاس..... فیصل آباد

جب میں چھوٹا سا تھا تو بہت ساری باتیں میری سمجھ میں نہیں آتی تھیں۔ ان بہت ساری باتوں میں سے ایک بات "اپریل فول" بھی تھی۔ آخر ایک دن امی نے بتایا کہ اپریل فول کا مطلب اپریل کی پہلی تاریخ کو دوسرے لوگوں کو بدھو اور بے وقوف بنانا ہوتا ہے۔ ان کو ایسے طریقے سے دھوکا دیا جاتا ہے کہ ان کو بالکل پتا نہیں چلتا کہ انہیں بے وقوف بنایا جا رہا ہے۔ جب یہ بات میری سمجھ میں آ گئی تو میں نے بھی لوگوں کو اپریل فول بنانے کا منصوبہ بنایا۔

میرے چھوٹے چچا کی اپریل کے ہفتے میں شادی تھی اور مارچ کے آخری ہفتے سے ہی ہمارے گھر مہمان آنا شروع ہو گئے تھے۔ ہم سب کزن لمبے عرصے کے بعد مل کر بہت خوش ہوئے اور ہمیں شرارتیں سوجھنے لگیں۔ ہم نے فیصلہ کیا کہ ہم میں سے جو کوئی بھی سب سے دلچسپ اور انوکھی شرارت کرے گا، اس کو سب دس دس روپے انعام میں دیں گے۔ ان کا کہنا تھا کہ ہم کسی دھوکے میں نہیں آ سکتے اور آج تک ہمیں کوئی بے وقوف نہیں بنا سکا ہے۔ میں نے دل میں پکا ارادہ کر لیا کہ ان کا غرور خاک میں ملا کر دم لوں گا۔ اس کے بعد میں نے ایک نہایت ہی دلچسپ ترکیب سوچی اس دن مارچ کی 31 تاریخ تھی۔

رات کو جب سب لڑکے سو گئے تو میں نے اپنی ترکیب کو عملی جامہ پہنانے کے لئے آنکھیں بند کر لیں اور بڑبڑانے لگا۔

ہیرے.....! ہیرے.....! سونا.....! خزانہ.....!

خزانہ.....! آہا! خزانہ مل گیا..... آہا.....! خزانہ.....!!!

میں کافی اونچی آواز میں بول رہا تھا میری آواز سے میرے ایک کزن کی آنکھ کھل گئی وہ میرے ساتھ ہی سو رہا تھا۔ اس نے مجھے نیند میں چیختے سنا تو باقی سب کو بھی اٹھا دیا۔ انہوں نے مجھے جھنجھوڑنا شروع کر دیا۔ میں نے ایک دم اٹھ کر آنکھیں ملیں اور کہا؟

"خزانہ مل گیا؟..... تم نے خزانہ نکال لیا؟"

وہ کہنے لگے شاید تم نے خواب دیکھا ہے۔ کون سا خزانہ؟ کہاں ہے خزانہ؟"

اس پر میں نے ان کو اپنا خواب سنایا کہ ہمارے لان میں جو دیوار کے ساتھ جھاڑیوں والا حصہ ہے وہاں زمین کے اندر ایک بڑا سا ڈبہ گڑا ہوا ہے اور اس میں ہیرے ہیں، سونے کی اینٹیں ہیں۔ آؤ، سب چل کر خزانہ نکال لیں۔

انہوں نے کہا۔ "اس وقت تو رات ہے۔ صبح کو کھودیں گے۔" یہ فیصلہ کر کے ہم سب سو گئے

صبح ہوئی تو ہم بھاگم بھاگ لان میں گئے اور وہ جگہ کھودنے لگے جہاں میں نے خزانہ دیکھا تھا۔ سب لڑکے بڑے جوش سے زمین کھود رہے تھے اور میں ایک طرف کھڑا تماشا دیکھ رہا تھا۔ جب کافی جگہ کھود چکے تو ایک بڑا سا ڈبہ نظر آیا۔ اسد اور حامد نے ڈبا کھولا تو اس میں سے ایک اور ڈبہ نکلنے لگا۔ جب انہوں نے بے چینی سے آخری ڈبہ کھولا تو مجھ سے اپنی ہنسی نہ روکی گئی اور میں وہیں گھاس پر گر کر ہنسنے لگا میرے یہی دونوں کزن بڑے فخر سے کہتے تھے کہ ہم کبھی بے وقوف نہیں بنے۔ لیکن اب ان کا گھمنڈ خاک میں مل چکا تھا۔ اس ڈبے میں سے کاغذ کا ایک پرزہ نکلا جس پر کالے مارکر سے بڑا بڑا لکھا ہوا تھا۔

اپریل فول

بس کچھ نہ پوچھئے کہ شرمندگی کے مارے ان سب کا کیا حال ہوا؟ لیکن میرا حال ضرور پوچھئے۔ میں بہت خوش تھا۔ کیونکہ انہوں نے جو پیسے مجھے دیئے 'ان سے میں نے ایک خوب صورت سوٹ خریدا اور بڑے ٹھاٹھ سے چچا کی شادی میں شریک ہوا۔

(دوسرا انعام: 45 روپے کی کتابیں)

(3)

شازیہ پروین اسلام آباد

88 کا سال شروع ہوا تو ہم نے اپریل کے مہینے کا انتظار کرنا شروع کر دیا۔ آخر اپریل کا مہینہ بھی آگیا۔ اور ہم اپریل فول منانے کے بارے میں سوچنے لگے آخر ہمارے ذہن میں ایک بہت انوکھی ترکیب آئی

ان دنوں ہمارے محلے میں لوڈ شیڈنگ ہوتی تھی۔ ہم نے اپنی سوچی ہوئی ترکیب آپی اور نعیم کو بھی بتادی۔ وہ یہ سن کر بہت خوش ہوئے۔ ہم نے اس ترکیب پر آج رات ہی عمل کرنا تھا۔ آخر رات آپہنچی۔ ہماری بڑی باجی رات کو دیر تک پڑھتی تھیں۔ انہیں لوڈ شیڈنگ کی وجہ سے موم بتی جلا کر پڑھنا پڑتا تھا۔

خیر وہ معمول کے مطابق پڑھ رہی تھیں اور ہم تینوں کمرے میں اپنے بھیس بدل رہے تھے۔ میں نے ایک کمبل اوڑھ لیا اور بازو پھیلا لئے۔ آپی کے بال بہت گھنے ہیں۔ انہوں نے بال کھول دیئے اور ابو کے کپڑے پہن لئے۔ نعیم بھائی نے سکواش ٹیپ سے لمبے لمبے ناخن لگا لئے اور ہاتھوں کو موڑ لیا۔

اب ہم تینوں باجی کے کمرے کی طرف گئے اور باہر کی جانب کھڑکی میں کھڑے ہو کر ہلنے لگے۔ کھڑکی میں سے ہمارے سائے سامنے دیوار پر صاف نظر آرہے تھے لیکن باجی پڑھائی میں مگن تھیں۔ ان کی توجہ سائے کی طرف ہو ہی نہیں رہی تھی۔ لیکن تھوڑی دیر بعد جو انہوں نے ٹائم دیکھنے کے لئے وال کلاک کی طرف نگاہ کی تو سامنے تین عدد خوف ناک سائے دکھائی دیئے۔ انہوں نے دیکھتے ہی ایک چیخ ماری اور بے ہوش ہو گئیں۔ ہم تینوں جلدی سے اپنے کمرے میں چلے گئے اور اپنی شکلیں درست کر کے بستروں پر لیٹ گئے۔

"ادھر امی اور ابو دوسرے گھر والوں کے ساتھ باجی کے کمرے میں پہنچے اور انہیں پانی وغیرہ پلایا۔ اتنے میں بجلی آگئی نعیم نے کہا کہ تم دونوں یہیں ٹھہرو میں ابھی دیکھ کر آتا ہوں۔ اس نے آکر بتایا کہ باجی اب ٹھیک ہیں اور سائے والا قصہ سب کو سنا رہی ہیں۔"

ہم تینوں چپ چاپ باجی کے کمرے کے پاس گئے اور گھر والوں کی باتیں سننے لگے۔ ابو کہہ رہے تھے "گھبرانے کی ضرورت نہیں۔ یہ ایک شرارت ہے اور مجھے معلوم ہے کہ یہ شرارت کس نے کی ہے۔" اب تو ہم بڑے پریشان ہوئے۔ لیکن پھر ہمیں نیند آگئی اور ہم سو گئے۔

صبح ناشتے کی میز پر ابو نے کہا "یہ شرارت شازیہ 'نورین اور نعیم کی ہے۔" باجی نے پوچھا "ابو' آپ کو کیسے پتا چلا۔"؟ تو ابو کہنے لگے "یہ تینوں رات کو تمہارے کمرے میں نہیں آئے تھے۔ حالانکہ ان کا کمرہ تمہارے کمرے کے بالکل ساتھ ہے اور چیخ کی آواز وہاں صاف پہنچ جاتی ہے۔" ہم نے ڈرتے ڈرتے کہا "باجی' یہ تو محض اپریل فول تھا۔"

لیکن اب 'باجی کی بیہوشی کے بعد' ہم نے اس قسم کے ڈرانے والے اپریل فول سے توبہ کر لی ہے۔

(تیسرا انعام: 40 روپے کی کتابیں)

(4)

آسیہ حنیف بیگ ملتان

اپریل کی پہلی تاریخ چپکے چپکے' دبے پاؤں' چلی آرہی تھی اور ہم سوچ رہے تھے کہ کیوں نہ دوستوں کو اس خوب صورت دن کوئی خوب صورت تفریح مہیا کی جائے۔ اس کے لئے ہمیں ضرورت تھی چند خوب صورت جھوٹ بولنے والوں کی۔ بھلا جھوٹ میں ہمارا ساتھ کون دیتا۔؟ بہت سوچ بچار کے بعد ہم نے بجو سے کہا کہ اگر وہ تھوڑا سا جھوٹ بولنے پر راضی ہو جائے تو بہت لطف آئے گا۔ پہلے تو بجو نے نال مٹول کی اور کہنے لگی "نا بھئی۔ ہمیں تو تم جھوٹ سے دور ہی رکھو۔" ہم نے کہا "بجو' بجی' ہم کسی کو پریشان تھوڑا ہی کریں گے۔ کچھ تفریح رہے گی۔ سارے دوست کچھ دیر مل بیٹھیں گے اور بس۔" آخر کچھ دیر کی بحث کے بعد بجو ہمارا ساتھ دینے پر آمادہ ہو گئی۔ بس 'اب کیا تھا۔ ہم نے ایک ایک کر کے سب دوستوں کو دعوت دی کہ یکم اپریل کو ہمارے چھوٹے بھائی عثمان کی سالگرہ ہے۔ آپ ضرور آئیں۔ ہماری سہیلی مریم نے آنے سے انکار کر دیا تھا۔ ویسے وہ کھانے کے معاملے میں "نہ" ہرگز نہیں کرتی لیکن جب جب بجو نے مریم صاحبہ کو یقین دلایا کہ وہ جو کچھ کہہ رہی ہے' وہ بالکل صحیح ہے تو اس نے آنے کی حامی بھر لی۔ حمیرا تو شاید اس موقع کی منتظر ہی تھی۔ کہنے لگی۔ "میں تو ضرور آؤں گی۔" صدف کہنے لگی "امی کو لے آؤں؟" ہم نے کہا "ارے نہیں بھئی۔ آنٹی کو کیوں تکلیف دیتی ہو۔" کہنے لگی۔ "اچھا تمہاری مرضی۔" رابعہ نے بھی کچھ پس و پیش کے بعد رضامندی ظاہر کر دی اور اب ہم بڑی بے چینی سے یکم اپریل کا انتظار کرنے لگے۔ سالگرہ کے دن یعنی اپریل کی پہلی تاریخ کو ہم نے بڑی مزے دار ڈشیں تیار کیں۔ ان میں کڑوے گلاب جامن' مرچوں بھرے سموسے اور کڑوا کیک خصوصیت سے قابل ذکر ہے۔

خدا خدا کر کے شام ہوئی اور مہمانوں کی آمد شروع ہوئی۔ سب سے پہلے رابعہ صاحبہ آئیں۔ وہ ایک بڑا سا ڈبہ جس پر بہت خوب صورت ربن بندھا تھا' عثمان کے لئے لائی تھیں۔ پھر مریم آئیں۔ انہوں نے ایک چھوٹا سا بند لفافہ دیا۔ صدف نے ایک گول سا ڈبہ دیا اور یوں تحفوں کا انبار لگ گیا۔ ہم نے سب تحفوں کو میز پر سجا دیا۔ کیک پر پانچ موم بتیاں جلائی گئیں کیونکہ ہم عثمان کی پانچویں سالگرہ منا رہے تھے۔

کیک کاٹنے کے بعد "ھیپی برتھ ڈے" کا شور بلند ہوا۔ ہم نے عثمان صاحب کو سمجھا رکھا تھا۔ اس لئے وہ ہنسی روکے ہوئے تھے۔ ان کے بعد کھانے کی باری آئی۔

شازیہ نے کیک کا ٹکڑا کاٹ کر پلیٹ میں رکھا اور کھانے لگیں۔ لیکن پھر فوراً ہی آخ تھو کر کے منہ سے نکال پھینکا۔ اتنے میں رابعہ نے سموسہ منہ میں ڈالا تو سرخ مرچوں نے اس کے منہ کو لال کر دیا اور وہ غصے سے لال پیلی ہونے لگی۔ جیسے ابھی ہمیں کھا جائے گی۔ بلکہ یوں کہئے کہ کچا چبا جائے گی۔ اس کے بعد چائے کی کیتلی میں سے مریم نے چائے انڈیل کر پیالی میں ڈالی اور پینے لگی تو پتا چلا کہ چینی غائب ہے صرف نمک ہی نمک ہے اور نمک بھی خدا کی پناہ!!

کچھ دیر تک ہم سب خوب ہنستے رہے اور اپریل فول کے اس ڈرامے سے لطف اندوز ہوتے رہے۔ جب ایک ایک کر کے ہماری سہیلیاں رخصت ہو گئیں تو ہم نے تحفے کھول کر دیکھے۔ رابعہ کا لایا ہوا پیکٹ کھولا گیا تو اس میں چھوٹی چھوٹی ڈھیر ساری دوائیوں کی خالی شیشیاں بھری ہوئی تھیں۔ ظاہر ہے وہ ہمیں فول بنا گئیں تھیں۔ مریم کے لفافے میں سے ایک بڑا سا کاغذ نکلا جس پر جلی حروف میں لکھا تھا **اپریل فول**

صدف کے گول ڈبے میں ایک اور ڈبا تھا اور اس کے اندر پلاسٹک کی ایک ٹوٹی پھوٹی پلیٹ تھی۔ بس کچھ نہ پوچھئے اس کے بعد ہم اور ہمارے سب گھر والے دیر تک سر پکڑے بیٹھے رہے!

(چوتھا انعام: 35 روپے کی کتابیں)

(5)

حفیظ الرحمان، کراچی

دانش یہ سوچتا ہوا اسکول سے واپس گھر لوٹ رہا تھا کہ کل اپریل کی پہلی تاریخ ہے۔ اس بار ساتھیوں کو کس طرح فول بنایا جائے؟ صابن کی ٹکیا سے چاکلیٹ بنانے کی بات تو بہت عام ہو گئی ہے۔ اب تو یہ حالت ہے کہ کسی کو اصلی ٹافی بھی دو تو وہ اسے اچھی طرح اطمینان کرنے کے بعد ہی منہ میں ڈالتا ہے۔ وہ جانتا تھا کہ کوئی ایسی ترکیب سوچی جائے جس سے لوگ بے وقوف بھی بن جائیں اور کسی کو نقصان بھی نہ پہنچے۔

وہ بے خیالی میں سوچتا ہوا چلا جا رہا تھا کہ ناگہاں ایک پتھر سے ٹھوکر لگی۔ اس نے سنبھل کر پتھر کو ایک طرف کر دیا تاکہ کسی اور کو ٹھوکر نہ لگے۔ پھر وہ اپنے گھر آ گیا اسی دن شام کو اس کے ذہن میں ایک پیاری سی ترکیب آ گئی اب وہ مطمئن تھا۔

یکم اپریل کو وہ مسکراتا ہوا کلاس میں داخل ہوا۔ اسے دیکھ کر کاشف نے خوشی کا اظہار کیا اور ہاتھ بڑھاتے ہوئے "بولا لو بھئی۔ پہلے ٹافی کھاؤ۔"

"ٹافی؟ مگر کس خوشی میں؟" دانش نے پوچھا۔

"وہ دیکھو۔ بلیک بورڈ کی طرف۔ امتحان کی ڈیٹ شیٹ لگ گئی ہے۔" کاشف نے جواب دیا۔

دانش نے پلٹ کر دیکھا۔ بلیک بورڈ پر ٹائپ کیا ہوا ایک کاغذ چسپاں تھا اور کچھ ساتھی اس کی نقل اپنی کاپی پر اتار رہے تھے۔ وہ کاشف کی دی ہوئی ٹافی منہ میں ڈالنے لگا تھا کہ کچھ سوچ کر رک گیا اور ٹافی سونگھ کر جیب میں رکھ لی۔ پھر اس نے اپنے بستے میں سے بسکٹوں کا ایک خوب صورت پیکٹ نکالا۔ اور ہاتھ ہلاتے ہوئے بولا "ساتھیو، میں نے کل رات خواب میں دیکھا تھا کہ آج صبح ہمیں ڈیٹ شیٹ مل گئی ہے۔ میں نے اسی وقت عہد کیا کہ اگر میرا خواب سچا ہوا تو میں سب دوستوں کو بسکٹ کھلاؤں گا۔" مگر سب لڑکوں نے بسکٹ لینے سے انکار کر دیا کیونکہ پچھلے سال کی یکم اپریل کو دانش نے ان کی اپنے گھر چائے کی دعوت کی تھی مگر بسکٹ گتے کے تھے اور چائے کی جگہ کیتلی میں پانی تھا۔

اتنے میں کلاس کا مانیٹر علی عمران کلاس میں داخل ہوا اور پوچھا کہ کیا تمام لڑکوں نے ڈیٹ شیٹ اتار لی ہے؟ دانش کے سوا تمام بچوں کا جواب ہاں میں تھا۔ علی نے قہقہہ لگا کر ڈیٹ شیٹ بورڈ سے اتار دی اور کہا "تم سب فول بن گئے۔ جو لڑکے نئے آئے ہیں انہیں تو معلوم نہیں مگر جو پرانے ہیں انہیں ضرور یاد ہو گا کہ ہمارے سکول میں کبھی ڈیٹ شیٹ ٹائپ نہیں ہوئی۔ اساتذہ بلیک بورڈ پر لکھ دیتے ہیں تمام لڑکے بہت شرمندہ ہوئے۔ دانش نے مسکرا کر ایک بسکٹ اپنے منہ میں رکھا اور ایک علی عمران کی طرف بڑھا دیا۔ پھر اس نے کہا ساتھیو، میں اصلی بسکٹ لایا تھا۔ مگر آپ سب نقلی سمجھ کر فول بن گئے۔" علی عمران نے کہا "بھئی دانش، میں نے تو نقلی ڈیٹ شیٹ کا سہارا لیا مگر تم نے تو اصلی بسکٹوں سے تمام ساتھیوں کو فول بنا دیا۔ واقعی تمہارے ماں باپ نے تمہارا نام ٹھیک ہی رکھا ہے آئندہ مجھے بھی ایسی ہی ترکیب بتانا۔

(پانچواں انعام..... 30 روپے کی کتابیں)

(6)

سید ہاشم رضا نقوی، فیڈرل بی ایریا کراچی

میرا ایک بہترین دوست خرم اپنے ماموں کی شادی میں شرکت کے لئے لاہور جا رہا تھا حالانکہ اس کے ششماہی امتحان قریب تھے۔ جس دن یعنی دو اپریل کو اس کا پہلا پیپر تھا، اسی دن اس کے ماموں کی شادی تھی۔ اور میں نہ چاہتا تھا کہ وہ اپنا ریکارڈ خراب کرے۔ اس لئے میں نے اس کے ساتھ اپریل فول منانے کا فیصلہ کیا۔ ہم دونوں ایک دوسرے سے بہت محبت کرتے تھے۔ اس لئے میں جانتا تھا کہ میں اپنی سکیم میں ضرور کامیاب ہوں گا۔

یکم اپریل کو اسے لاہور جانا تھا۔ جب اس کے روانہ ہونے میں صرف ایک گھنٹہ رہ گیا تو میں نے اس کو فون کیا اور اپنے بڑے بھائی جان کی آواز بناتے ہوئے کہا۔ "مجھے خرم سے بات کرنی ہے۔"

دوسری طرف سے آواز آئی "میں خرم ہی بول رہا ہوں۔"

میں نے کہا "خرم، ہاشم کا بری طرح ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے اور وہ تمہیں یاد کر رہا ہے تم فوراً گھر چلے آؤ۔" یہ کہہ کر میں نے فون رکھ دیا۔

ادھر سب گھر والے سٹیشن جانے کے لئے تیار کھڑے تھے۔ انہوں نے خرم سے کہا کہ جلدی کرو۔ گاڑی نکل جائے گی تو اس نے جانے سے انکار کر دیا اور کہا

"میرے دوست کی حالت ٹھیک نہیں ہے۔ میں نہیں جاؤں گا۔ آپ لوگ چلے جائیں۔"

گھر والوں نے بہت کہا مگر وہ نہ مانا اور سب گھر والے چلے گئے۔ اب وہ بھاگم بھاگ ہمارے گھر آیا اور بھائی جان سے پوچھا "ہاشم کو کیا ہوا؟"

بھائی جان نے بڑے اطمینان سے جواب دیا "کچھ بھی نہیں۔ وہ تو خدا کے فضل سے بالکل ٹھیک ٹھاک ہے۔ تمہیں کسی نے بے وقوف تو نہیں بنا دیا؟ آج یکم اپریل ہے نا۔" اس پر خرم نے کہا کہ آپ ہی نے تو فون پر مجھے بتایا تھا کہ ہاشم کا ایکسیڈنٹ ہو گیا ہے۔" بھائی جان نے انکار کرتے ہوئے کہا "میں نے تو کوئی فون نہیں کیا۔" یہ کہہ کر انہوں نے مجھے آواز دے کر بلایا۔ میں جیسے ہی باہر آیا اور خرم کو دیکھا تو ڈر کے مارے اندر کی طرف بھاگا خرم غصے میں بھرا ہوا میری طرف دوڑا۔ مگر جب اسے یہ علم ہوا کہ یہ ڈراما میں نے اس کی بھلائی کے لئے کھیلا تھا تو اس نے مجھے معاف کر دیا۔

(چھٹا انعام.....25 روپے کی کتابیں)

(7)

کامران رشید قریشی۔ ملتان

مارچ کا مہینہ تھا۔ میرے بڑے بھائی جان طاہر نے ابا جان سے کہا کہ میں نے ان گرمیوں میں مری جانے کا پروگرام بنایا ہے۔

ان سے چھوٹے بھائی عامر نے کہا "ابا جان، اس دفعہ میں اسلام آباد جاؤں گا۔"

ان سے چھوٹے بھائی نادر نے کہا "ابا جان، میں کوئٹے جاؤں گا۔"

میں نے ضد کی "میں تو لاہور جاؤں گا"۔ خالہ بہت دنوں سے بلا رہی ہیں۔

ابا جان نے ہم سب کی باتیں غور سے سنیں۔ پھر بڑی سنجیدگی سے بولے "تم نہ مری جاؤ گے نہ اسلام آباد نہ کوئٹے جاؤ گے نہ لاہور۔ تم سب اس مرتبہ میرے ساتھ لندن جاؤ گے۔ میں نے پی آئی اے کے جہاز میں سیٹیں بک کرا لی ہیں۔"

ہمارے منہ۔ حیرت سے، کھلے کے کھلے رہ گئے۔ ہم سب دیوانوں کی طرح ابا جان کا منہ تک رہے تھے۔ لیکن ابا جان کے چہرے پر کوئی مسکراہٹ نہ تھی۔

28 مارچ کو انہوں نے ہمیں حکم دیا کہ سب تیار ہو جاؤ۔ ہم یکم اپریل کو لندن روانہ ہوں گے، اور پندرہ دن بعد واپس آئیں گے۔ ہم نے خوشی خوشی اپنا سامان پیک کرنا شروع کر دیا۔ غرض دو تین دن بہت مصروف گزرے۔

یکم اپریل کو ابا جان نے بھائی جان سے ٹیکسی لانے کو کہا۔ وہ خوشی خوشی ٹیکسی لے آئے۔ ہم سب ٹیکسی میں بیٹھ گئے ابا جان نے ٹیکسی ڈرائیور کے کان میں آہستہ سے کچھ کہا، اور ٹیکسی روانہ ہو گئی۔

تقریباً آدھ گھنٹہ ٹیکسی ملتان کی مختلف سڑکوں پر دوڑتی رہی۔ اس کے بعد ہم واپس گھر آ گئے۔ ابا جان نے ٹیکسی ڈرائیور کو پیسے دیئے اور ہمیں سامان اتارنے کو کہا۔

ہم سب پر سکتہ طاری تھا۔ کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ یہ کیا ماجرا ہے! آخر طاہر بھائی جان نے ہمت کر کے پوچھا "ابا جان، یہ معاملہ کیا ہے۔"؟

ابا جان نے مسکرا کر کہا "آج کیا تاریخ ہے؟"۔

بھائی جان گھڑی دیکھ کر بولے "یکم اپریل۔"

اور ہم سب چلا کر بولے "افوہ! ابا جان۔ آپ نے ہم سب کو فول بنا دیا!"

(ساتواں انعام.....20 روپے کی کتابیں)

ان ہونہار ادیبوں کی کوشش بھی قابل تعریف ہے۔ انہیں 15، 15 روپے کی کتابیں دی گئی ہیں۔

عبیر عباس، لاہور کینٹ۔ سید علی ذوالقرنین جگنو، علی پور۔ صدف نور، بہاول پور۔ خان شاد، پشاور۔ رضوان جمیل، ساؤتھ کراچی۔ سفیان غضنفر، اقبال ٹاؤن لاہور۔ کاشف غفار قریشی، حیدر آباد۔ طاہر محمود اعوان، ملیر ہالٹ کراچی۔ قیصر عباس جنجوعہ، واہ کینٹ۔ کامران رشید قریشی، نیو ملتان۔ سدرت صابر، پتوکی ضلع قصور۔ صائمہ حنیف، اقبال ٹاؤن لاہور۔ فیصل مرزا، لاہور کینٹ۔ آمنہ بتول، پنجاب ٹاؤن کراچی۔ کامران فقیر محمد، گارڈن ویسٹ کراچی۔ ساجدہ حنیف، شاہدرہ لاہور۔ اعجاز احمد انجم، ضلع ایبٹ آباد۔ محمد عاقل احمد خان، سکھر۔ ذیشان الحق عزیز، پشاور۔ وقار مصطفیٰ، گوجرانوالہ۔ نگینہ تاج محمد، پشاور۔ شازیہ تاج، ایبٹ آباد۔ وقار عباس، راجوال ضلع قصور۔ ذیشان اقبال، گوجرانوالہ۔ مرزا ایاز بیگ۔ بابر، ڈیرہ غازی خان۔ شہلا ناہید، راولپنڈی۔ نیاز احمد، منگورہ سوات۔ فوزیہ رانی، میر پور آزاد کشمیر۔ اطہر رضا، کراچی 5۔ امبر جعفری، کراچی۔ ایاز الرحمٰن، پتوکی۔ شاہ ارم نیاز، ڈیرہ اسماعیل خان۔ عمران مرتضیٰ، پشاور۔ عاشیہ رضا، رستم پارک لاہور۔ مطیب اخلاق، کراچی 29۔ ثوبیہ صادق، ریاض سعودی عرب۔ راشد حسین، حیدر آباد۔ رانا گلزار احمد علی، علی پور۔ عطیہ رحمان سپرا، کھیالی گوجرانوالہ۔ محمد فیصل اختر، راولپنڈی۔ شائستہ انجم، فیڈرل بی ایریا کراچی۔ سعید احمد، اسلام آباد۔ نازیہ جبیں، اسلام آباد۔ عائشہ حبیب، راولپنڈی۔ محمد شاہد سعید، قلعہ گوجر سنگھ لاہور۔ سعدیہ ریاض الحق، ڈیفنس کراچی۔ محمد عثمان ملک، ملتان کینٹ۔ خورشید احمد، علی پور ہزارہ۔ عمران شہاب، گولی مار کراچی۔ عمر عنایت، لاہور کینٹ۔

آپ بھی لکھئے

مندرجہ ذیل موضوعات پر کہانی لکھئے اور ایک ہزار روپے کے انعامات حاصل کیجئے

مئی ☆ اسکول میں میرا پہلا دن جون ☆ ایک یادگار سفر

(آخری تاریخ 10 مئی)

ایڈیٹر تعلیم و تربیت 32 شارع بن بادیس لاہور

مری

کوہساروں کی ملکہ

خدیجہ طلعت

راولپنڈی سے صرف 64 کلومیٹر کے فاصلے پر 7,500 فٹ کی بلندی پر پنجاب کا خوب صورت سیاحتی مقام مری واقع ہے۔ جس کی سیر سارا سال کی جاسکتی ہے۔ یہاں موسم کا اپنا رنگ، اپنا ڈھنگ اور اپنا ہی انداز ہے موسم بہار میں یہاں کے پہاڑ ہریالی اور رنگ برنگ پھولوں سے آراستہ ہو کر پوری فضا کو رنگین بنا دیتے ہیں اور موسم سرما میں ہر شے برف کی سفید چادر اوڑھ لیتی ہے۔

راولپنڈی سے مری جاتے ہوئے 25 کلومیٹر کے فاصلے پر پختہ سڑک اور کورنگ نالہ کے درمیان ایک خوب صورت باغ ہے جو چھتر کے نام سے مشہور ہے۔ اس کی وجہ شہرت قدرتی حسن کے علاوہ اس باغ کے لوکاٹ ہیں۔ ٹورزم ڈویلپمنٹ کارپوریشن نے اس خوب صورت جگہ کو سیاحوں کے لیے مزید باعث کشش اور آرام دہ بنانے کے لیے ایک وسیع منصوبہ تیار کیا ہے جس میں چھتر باغ اور اس کے بالمقابل خوب صورت پہاڑیوں کے درمیان بہتے ہوئے کورنگ نالہ پر معلق 150 فٹ اونچی مصنوعی آبشار اور بچوں کے لیے پارک کی تعمیر شامل ہے۔ یہ منصوبے ابھی زیر تکمیل ہیں۔

یہ ہے چھتر باغ کی باتیں کرتے کرتے آپ چھترہ پانی تک پہنچ چکے ہیں، یہاں ٹھنڈے اور میٹھے پانی کے چشمے ہیں۔ آپ یہاں ستانے کے لیے تھوڑی دیر رک سکتے ہیں۔ یہاں ایک چھوٹا سا بازار بھی ہے جس میں اشیائے صرف کی دکانوں کے علاوہ چھوٹے چھوٹے ہوٹل بھی ہیں۔ چھترہ پانی سے آگے بڑھیں تو کمپنی باغ جا پہنچتے ہیں۔ اس باغ کے ساتھ ہی سامل سینی ٹوریم ہے جہاں تپ دق کے مریضوں کا علاج کیا جاتا ہے۔ کمپنی باغ سے آگے گھوڑا گلی ہے جو سطح سمندر سے 5,000 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ ماضی میں انگریزوں نے جب مری کو ہل اسٹیشن کا درجہ دیا تو پنڈی سے مری آنے والی گھوڑا گاڑیوں کے تھکے ماندے گھوڑوں کی جگہ تازہ دم گھوڑے تانگوں میں جوتے جاتے تھے۔ اسی وجہ سے یہ جگہ گھوڑا گلی کے نام سے مشہور ہوئی۔ یہاں ٹھہرنے کے لیے ایک پرانے طرز کا ریسٹ ہاؤس ہے جہاں سے اردگرد کا منظر بہت حسین نظارہ پیش کرتا ہے۔

گھوڑا گلی سے آگے بڑھیں تو آپ کا گزر بانسرہ گلی سے ہوگا جو 5,832 فٹ کی بلندی پر واقع ہے۔ یہاں قریب ہی مشہور لارنس کالج ہے۔ بانسرہ گلی سے آگے چلیں تو سنی بینک آتا ہے اور پھر یہاں سے سیاحوں کی توجہ کا خاص مرکز مری شروع ہو جاتا ہے۔

مری میں ٹھہرنے کے لیے متعدد ہوٹل ہیں۔ مئی سے ستمبر کے دوران یہ ہوٹل سیاحوں سے بھرے رہتے ہیں۔ یہاں کی سب سے مشہور شاہراہ مال روڈ ہے۔ موسم گرما میں اس پر بہت رش رہتا ہے۔ خاص طور پر شام کے وقت جب لوگ خوب صورت لباس زیب تن کر کے چہل قدمی کے لیے نکلتے ہیں۔ یہاں آپ کو کراچی سے خیبر تک ہر علاقے کا فیشن نظر آئے گا۔ اس سڑک کے ایک طرف پنڈی پوائنٹ ہے جہاں سے لوگ شام کے وقت پنڈی اور اسلام آباد کی روشنیوں کا نظارہ کرتے ہیں اور دوسری جانب کشمیر پوائنٹ ہے جہاں سے کشمیر کے برف پوش پہاڑ صاف دکھائی دیتے ہیں۔ کشمیر پوائنٹ کے راستے میں چیڑ اور شاہ بلوط کے اونچے اونچے سایہ دار درختوں کی کثرت ہے۔

بعض لوگ جو مری کی گہما گہمی میں دل چسپی نہیں رکھتے اور پرسکون کم بھیڑ والے مقامات پسند کرتے ہیں، یہاں سے دیگنوں یا کاروں کے ذریعے نتھیا گلی، بھوربن، ایوبیہ، خانس پور، سوار گلی، جھانگلہ گلی اور ڈونگا گلی چلے جاتے ہیں۔ اگر آپ اپنی گاڑی میں سفر کر رہے ہیں تو سنی بینک سے مری کی طرف مڑنے کے بجائے سیدھے جائیں۔ تھوڑے فاصلے پر کلڈانہ چوک سے دائیں ہاتھ یہ سڑک جھیکا گلی اور بھوربن کی طرف اور بائیں طرف نتھیا گلی اور ایوبیہ کی جانب مڑ جاتی ہے۔ کچھ دیر آپ جھیکا گلی پہنچ جائیں گے۔ جھیکا گلی سے بائیں جانب مڑ جائیں تو صرف 6 کلومیٹر کے فاصلے پر بھوربن آتا ہے جو بہت خوب صورت جگہ ہے۔ بھوربن میں گولف کے میدان کے علاوہ ایک خوب صورت پارک بھی ہے۔ چاروں طرف پھیلا ہوا گھنا جنگل اور پس منظر میں کشمیر کے برف پوش پہاڑ یہاں سے بڑے بھلے دکھائی دیتے ہیں۔

بھوربن سے آزاد کشمیر کے صدر مقام مظفر آباد (براستہ کوہالہ) جایا جاسکتا ہے۔ اس راستے پر سفر کریں تو کشمیر کی جنت نظیر وادیوں کی سیاحت سے بھی لطف اندوز ہو سکتے ہیں، جن میں وادی نیلم، وادی لیپہ، لون بنگلہ،

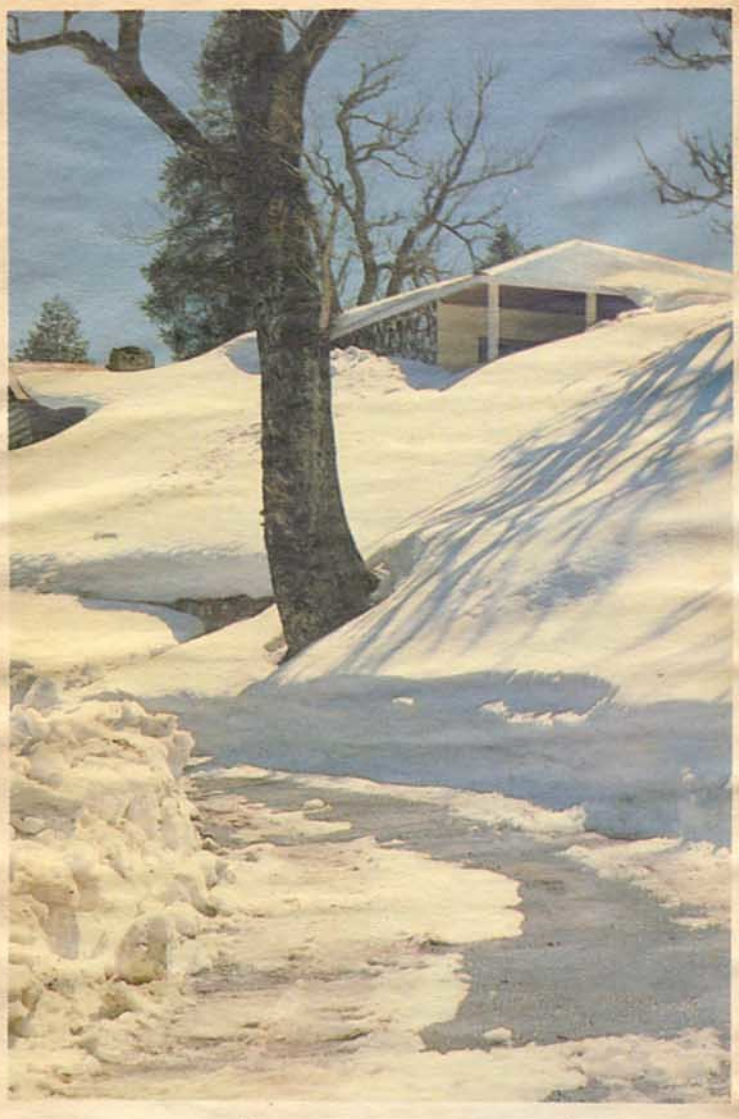

دھیر کوٹ کے خُوب صُورت مقامات قابلِ دید ہیں۔ اگر آپ گلی گلی گھومنے میں دِل چسپی رکھتے ہیں تو پہلے بتائے گئے راستے کے مُطابق کلڈ چوک سے بائیں جانب مُڑ جائیں۔ یہاں آپ کو سائن بورڈ پر باڑیاں اور نتھیا گلی لکھے نظر آئیں گے۔ سب سے پہلے آپ کو باڑیاں مِلے گا۔ یہی وہ جگہ ہے جہاں پر لگا بورڈ آپ کو صُوبہ پنجاب الوداع اور صُوبہ سرحد خُوش آمدید کہے گا۔ سنی بینک سے 11 کلومیٹر کا فاصلہ طے کر کے سوار گلی سے ہوتے ہُوئے آپ خیرہ گلی پُہنچ جائیں گے۔ خیرہ گلی قدیم چھاؤنیوں میں سے ایک ہے۔ اگر مطلع صاف ہو تو آپ یہاں سے پیر پنجال کے سلسلۂ کوہ کا نظارہ کر سکتے ہیں۔ خیرہ گلی سے 4 کلومیٹر آگے 8400 فُٹ کی بلندی پر ایک اور خُوب صُورت گلی جھانگلہ گلی ہے۔ اس کا ریسٹ ہاؤس بہت خُوب صُورت جگہ پر واقع ہے۔ جھانگلہ گلی سے ایک سڑک نتھیا گلی، ایبٹ آباد اور دُوسری ایوبیہ خانس پور کی طرف مُڑ جاتی ہے۔

ایوبیہ اپنی چیئر لفٹ (CHAIR LIFT) کی وجہ سے سیاحوں میں بہت مقبول ہے۔ آہنی تاروں سے منسلک دھیمی رفتار سے حرکت کرتی یہ لفٹ آہستہ آہستہ آپ کو بلندی کی طرف لے جاتی ہے۔ دُوسرے سرے پر پُہنچ کر آپ کچھ دیر ٹھہر سکتے ہیں۔ یہ جگہ پکنک منانے کے لیے بہت مناسب ہے۔ یہ جگہ کافی بلندی پر واقع ہے۔ اِس لیے گرمیوں میں بھی موسم کافی خُوش گوار رہتا ہے۔ یہاں چاروں اطراف کا منظر بہت خُوب صُورت ہے۔ دُور دُور تک چیڑ اور صنوبر کا جنگل اور اس سے پرے پہاڑیوں کی چوٹیوں پر چھوٹے چھوٹے مکانوں کی چھتیں سُورج کی کرنوں سے چمکتی بہت بھلی معلوم ہوتی ہیں۔

نتھیا گلی سکون پسند سیاحوں کی من پسند جگہ ہے۔ یہاں آپ کو لکڑی کا بنا ہُوا قدیم طرز کا چرچ، بنگلے اور چہل قدمی کے لیے پارک ملیں گے۔ مہم جُوئی پسند کرنے والے پائپ لائن کے ساتھ ہائیک کرتے ہُوئے ڈونگا گلی کے راستے ایوبیہ جا سکتے ہیں۔ جو صرف 7، 8 کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔ بہتر یہی ہو گا کہ ٹی۔ ڈی۔ سی۔ پی کے معلُوماتی مرکز سے یا کسی مقامی شخص سے راستے کے متعلق معلُومات حاصل کر لی جائیں۔ کوہ پیمائی کے شوقین کمش پوری کی چوٹی سر کر سکتے ہیں جو 9،242 فُٹ بلند ہے۔ چوٹی تک جاتے ہُوئے آپ کو انتہائی خُوب صُورت مناظر دیکھنے کو ملیں گے اور یہ یقیناً آپ کے لیے ایک یادگار تجربہ ہو گا۔ نتھیا گلی سے 30 کلومیٹر کے فاصلے پر بائیں طرف جاتی ہُوئی ایک چھوٹی سڑک آپ کو اس علاقے کے سب سے خُوب صُورت مقام ٹھنڈا پانی لے جائے گی جو ٹھنڈے پانی کے چشموں اور دِل کش مناظر کی وجہ سے اپنی مثال آپ ہے۔

خرم جمال چیمہ سلانٹ ٹاؤن سرگودھا (پہلا انعام 100 روپے کی کتابیں)

فرحت محمود بٹ اقبال ٹاؤن لاہور (دوسرا انعام 75 روپے کی کتابیں)

نصرت پروین گڈو بیراج (تیسرا انعام 50 روپے کی کتابیں)

نبیل احمد دارسک روڈ پشاور (چوتھا انعام 25 روپے کی کتابیں)

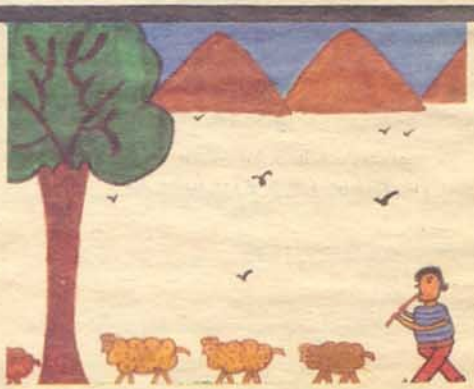

رضوان فاروق علی سلطان آباد کراچی (پانچواں انعام 20 روپے کی کتابیں)

محمد عزیز، سرائے عالمگیر (چھٹا انعام 15 روپے کی کتابیں)

اِن ہونہار مُصوّروں کی تصویریں بھی اچھی ہیں:

بلال بن علی کوئٹہ۔ اویس انجم ایبٹ آباد۔ فرحانہ جمیل پشاور نعیم احمد راولپنڈی۔ عزیز احمد جانلاں آزاد کشمیر۔ امتہ المبین شاد باغ لاہور۔ شہلا ناہید دریا آباد راولپنڈی۔ فریحہ صادق ریاض سعودی عرب۔ محمد آصف چیچہ وطنی۔ کاشف رفیق فیصل آباد۔ شبیر علی گڈو بیراج۔ عقیل احمد گرجاکھ گوجرانوالہ۔ شہباز احمد کامونکے۔ نجم علی میرانی گڈو بیراج۔ شازیہ جمیل کراچی۔ نیلم اسلم شاد باغ لاہور۔ ارم بشیر کراچی نمبر ۲۔ نفیسہ عبدالعزیز کراچی نمبر ۲۔ محمد انس ٹاؤن شپ لاہور۔ قیصر عباس جنجوعہ ٹیکسلا۔ اسد محمود جہلم۔ خضر حیات میرپور آزاد کشمیر۔ صبا جعفری مظفر گڑھ۔ راشد اورنگی ٹاؤن کراچی۔ منور حسین جانلاں آزاد کشمیر۔ محمد عظیم قریشی اسلام آباد۔ عدنان علی میانوالی۔ محمد ہاشم حیدر آباد۔ خرم شہزاد جہلم۔ محمد رضوان اورنگی ٹاؤن کراچی۔

آپ ان موضوعات میں سے جس موضوع پر چاہیں تصویر بنا سکتے ہیں: مئی: گھر، لو، چڑیا اور چڑا جون: بلّی اور چوہا

(آخری تاریخ: ۱۰ مئی)

سکول کے پرنسپل یا ہیڈ ماسٹر سے تصدیق کرانی ضروری ہے۔

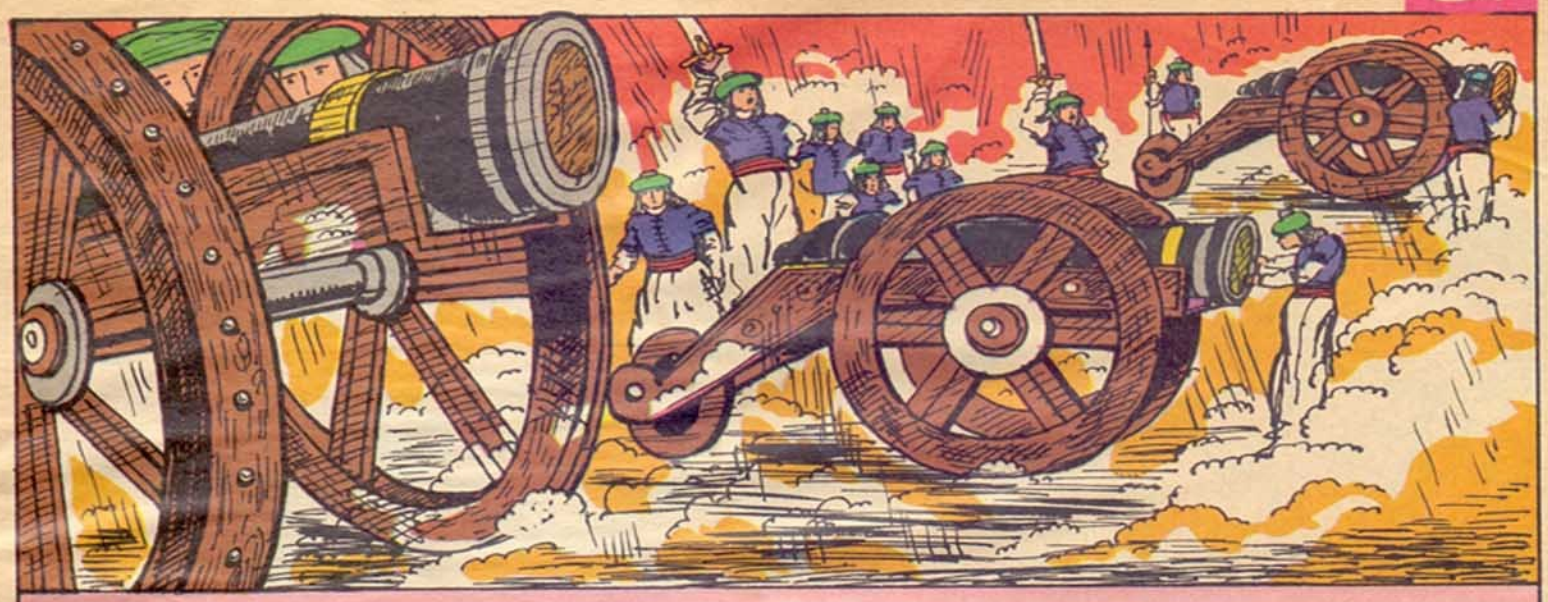

دشمن کے مقابلے کے لیے سُلطان کے قلعے میں بے شمار توپیں نصب تھیں، مگر غدار پورنیا اور میر صادق نے اُن میں مٹی اور ریت وغیرہ بھروا رکھی تھی۔ جس کی وجہ سے عین وقت پر دشمن پر قابو نہ پایا جا سکا۔ اور وہ آسانی سے قلعے پر چڑھائی کرتا رہا۔

سُلطان کے وفادار جیالے ہمارے لیے عذاب بنے ہوئے تھے، مگر ہمارے نمک حلال دوست پورنیا نے تنخواہ کا جھانسہ دے کر انہیں پیچھے بُلا لیا۔
پُورنیا واقعی ہمارا وفادار دوست ثابت ہوا اور میر صادق بھی دونوں نے مِل کر توپوں کو بالکل ناکارہ بنا دیا۔ ورنہ ہمارا آگے بڑھنا ناممکن تھا۔

وہ دیکھو! پُرنیا نے
ہمارا راستہ بالکل صاف کردیا۔ وہ ہمیں
خوش آمدید کہہ رہا ہے
سُلطانِ معظم! ہم چاروں طرف سے نرغے میں آچکے ہیں اب
ہماری شہادت یقینی ہے۔ یہ انگریز سپاہی آپ کو نہیں پہچانتے
آپ اگر انہیں بتا دیں کہ آپ ریاست کے فرماں روا
ہیں تو اس سے آپ کی جان بچ سکتی ہے۔
خبردار! کیسی باتیں کرتے ہو راجہ خان!
شیر کی زندگی کا ایک دِن
گیدڑ کے سو سالوں سے بہتر ہے
آؤ اللہ کا نام لے کر ان بے ضمیروں پر آخری ہلّا بول دیں۔

سُلطان گھوڑی پر سوار
قلعے کا دفاع کر رہے تھے
کہ گولی لگنے سے گھوڑی گر پڑی
اور دم توڑ گئی۔
مگر نڈر سُلطان پیادہ ہی
لڑتے رہے۔

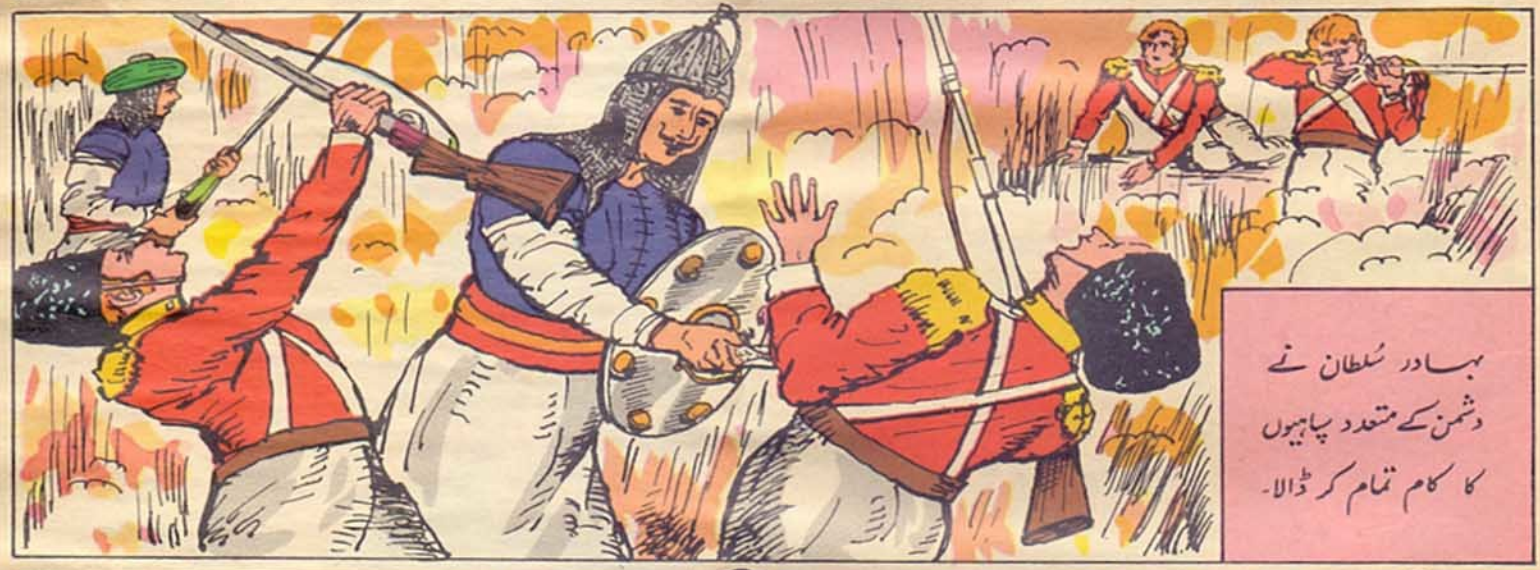
بہادر سُلطان نے
دشمن کے متعدد سپاہیوں
کا کام تمام کر ڈالا۔

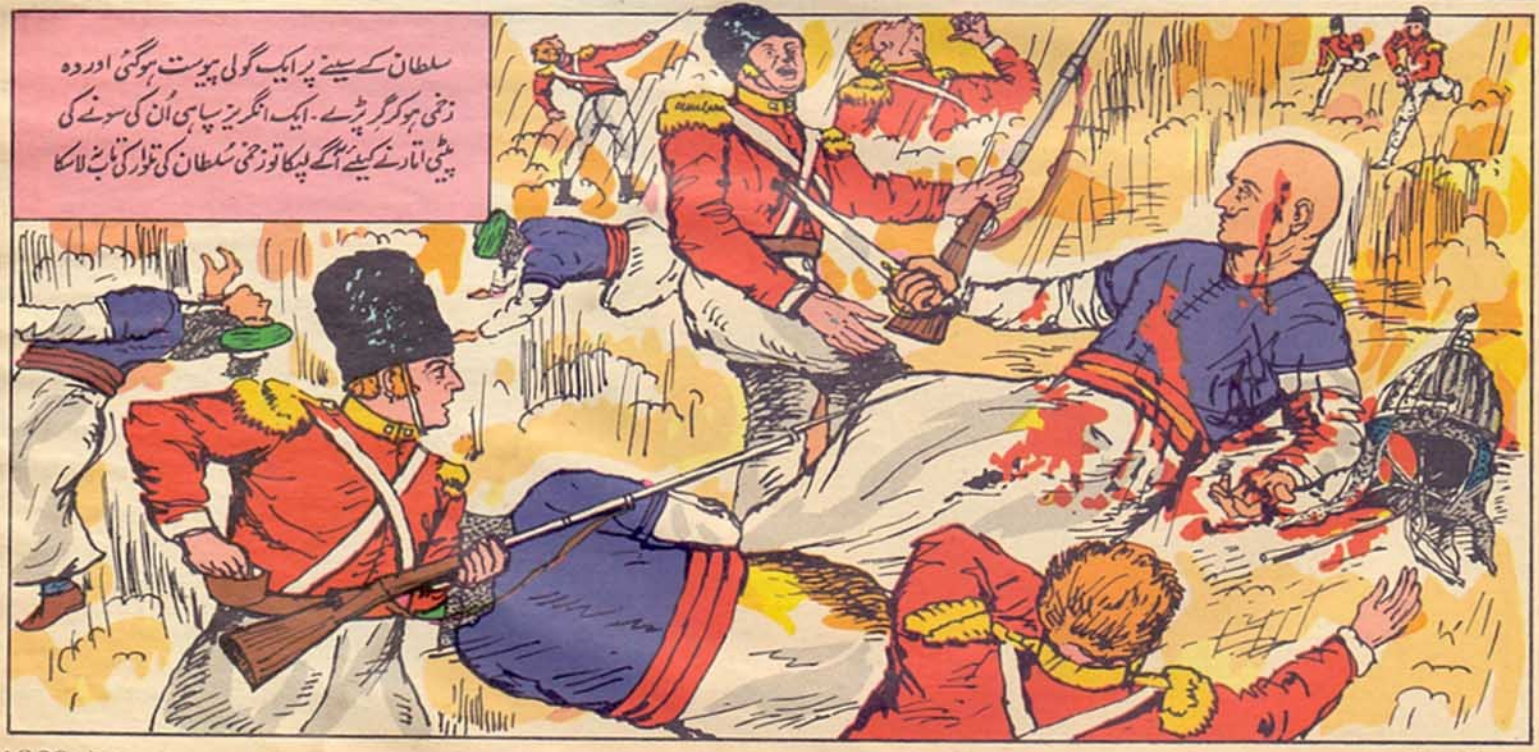
سلطان کے سینے پر ایک گولی پیوست ہوگئی اور وہ
زخمی ہوکر گر پڑے۔ ایک انگریز سپاہی اُن کی سونے کی
پیٹی اتارنے کیلئے آگے لپکا تو زخمی سُلطان کی تلوار کی تاب نہ لاسکا

شکر ہے ! شکر ہے !! ایک طویل جنگ بالآخر ہماری فتح پر ختم ہوئی۔ ہم نے ایک افسر کو سفید جھنڈا دے کر شاہی محل بھیجا تھا کہ سلطان کو کہہ دے کہ وہ اب ہتھیار ڈال دے۔ مگر سلطان کا کہیں پتہ نہیں چل رہا۔

رات ہو چکی ہے چند سپاہیوں کو شمعیں دے کر بھیجو اگر ٹیپو واقعی مر چکا ہے تو اس کی لاش فوراً تلاش کر لی جائے تاکہ ہم سکھ چین کی نیند سو سکیں۔

ٹیپو کی موت کے معنی ہمارا ہندوستان پر مکمل قبضہ

جنرل سر ڈیوڈ بیٹرڈ کی موجودگی میں سلطان کی لاش ڈھونڈ لی گئی۔

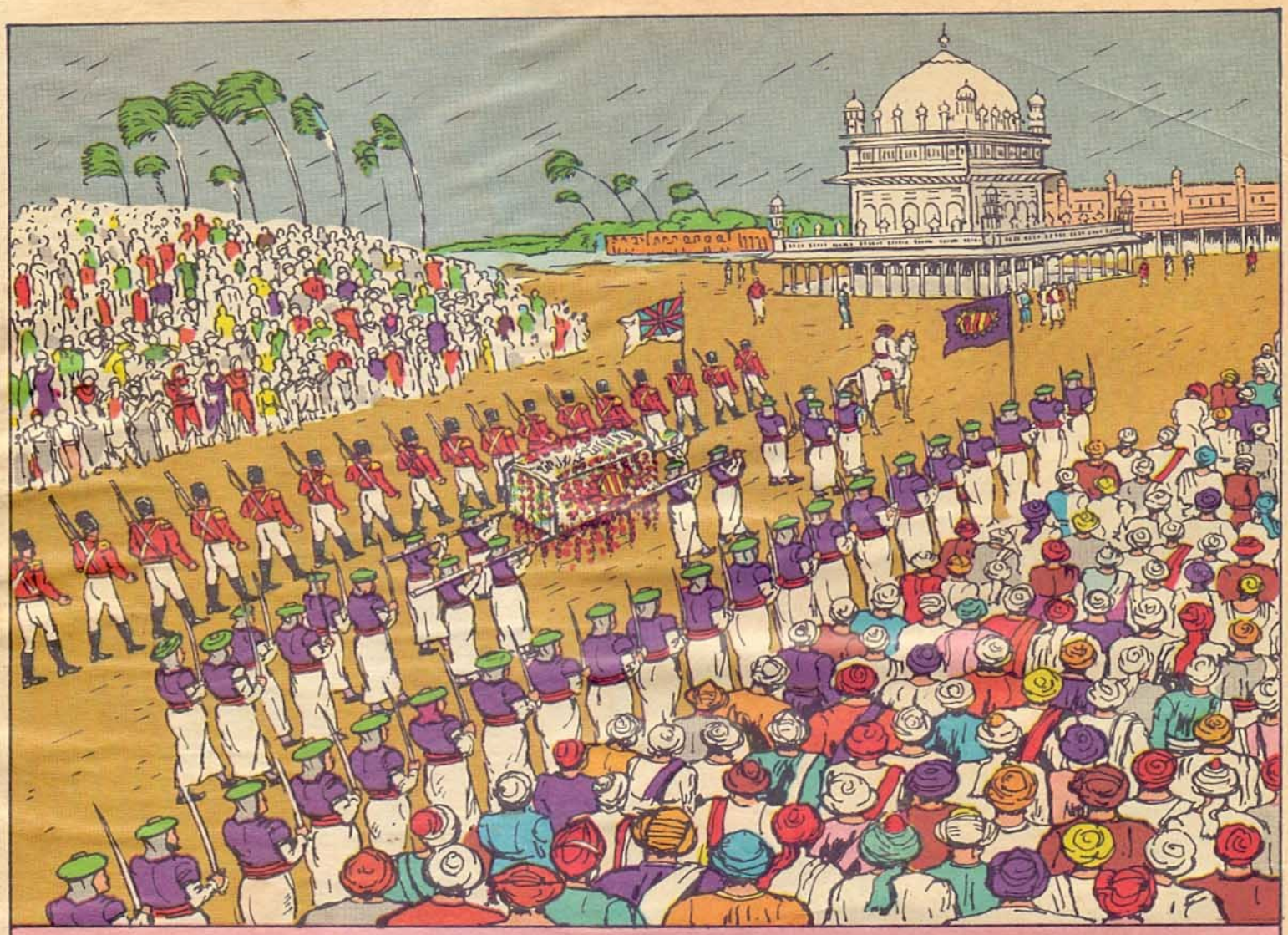

سرنگاپٹم کے افسردہ عوام اپنے محبوب و محترم شہید کو آخری الوداع کہنے کے لیے بھاری تعداد میں جنازے میں شرکت کے لیے امڈ آئے جنازہ کیا تھا آنسوؤں اور آہوں کا ایک ٹھاٹھیں مارتا ہوا سمندر! اپنے مجاہد والد سُلطان حیدر علی کے مقبرے میں مرحوم کی تدفین سے پہلے انگریزوں نے بھی میّت کو پُورے فوجی اعزاز سے سلامی دی۔

اور پھر ریاست **میسُور** کا کیا حشر ہُوا! مکّار انگریزوں، بے ضمیر نظام اور متعصب مرہٹوں کی لُوٹ بھگت سے ریاست کے حِصے بخرے ہو گئے اور ان تینوں نے اپنا اپنا حِصّہ ہتھیا لیا۔ ریاست کے ایک بچے کھچے حِصّے پر پرانے ہندو راجہ کے ایک پانچ سالہ بچے کو حُکمران بنا دیا گیا اور نمک حرام **پُورنیا** کو اپنی غدّاریوں کے معاوضہ میں ریاست کے اس حِصے کا وزیرِ اعظم بنا دیا گیا۔

اظہارِ تشکّر ■ ہم خاندانِ سلطان ٹیپو کے چشم و چراغ جناب میجر ابراہیم، ممتاز مؤرخ جناب عین الحق فرید کوٹی اور معروف مصوّر جناب بشیر مُوجد کے ممنون ہیں کہ انھوں نے اس کامک کے سکرپٹ کی تیاّری اور بعض اہم نادِر تصاویر کی فراہمی میں ہم سے مُخلصانہ تعاون کیا۔

■ جناب سُلطان وُدُود باری بھی ہمارے شکریے کے مستحق ہیں جنھوں نے سُلطان شہید کی ماڈلنگ کے لیے ہمیں اپنا قیمتی وقت دیا۔

■ ہم اُن تمام کتب خانوں کے بھی انتہائی شکر گزار ہیں، جہاں سے ہمیں اس موضُوع پر بہت مفید کُتب حوالہ دستیاب ہوئیں۔

گیدڑ

گیدڑ تقریباً سارے پاکستان میں پایا جاتا ہے۔ رات میں نکلتا ہے۔ زیادہ تر چوہے وغیرہ کھاتا ہے۔ گلی سڑی چیزیں، کیڑے، مکوڑے انڈے، پھل اور فصلہ وغیرہ بھی کھا جاتا ہے۔ مادہ عام طور پر پانچ تک بچے دیتی ہے، جن کی آنکھیں پیدائش کے وقت بند ہوتی ہیں اور تقریباً ایک ہفتہ بعد کھلتی ہیں۔ رات کے وقت بہت شور و غل کرتا ہے۔ بچے ہوئے خربوزے شوق سے کھاتا ہے اور کھیتوں کو بہت نقصان پہنچاتا ہے۔ تقریباً پندرہ سال تک زندہ رہتا ہے۔

جنگلی حیات قومی ورثہ ہے

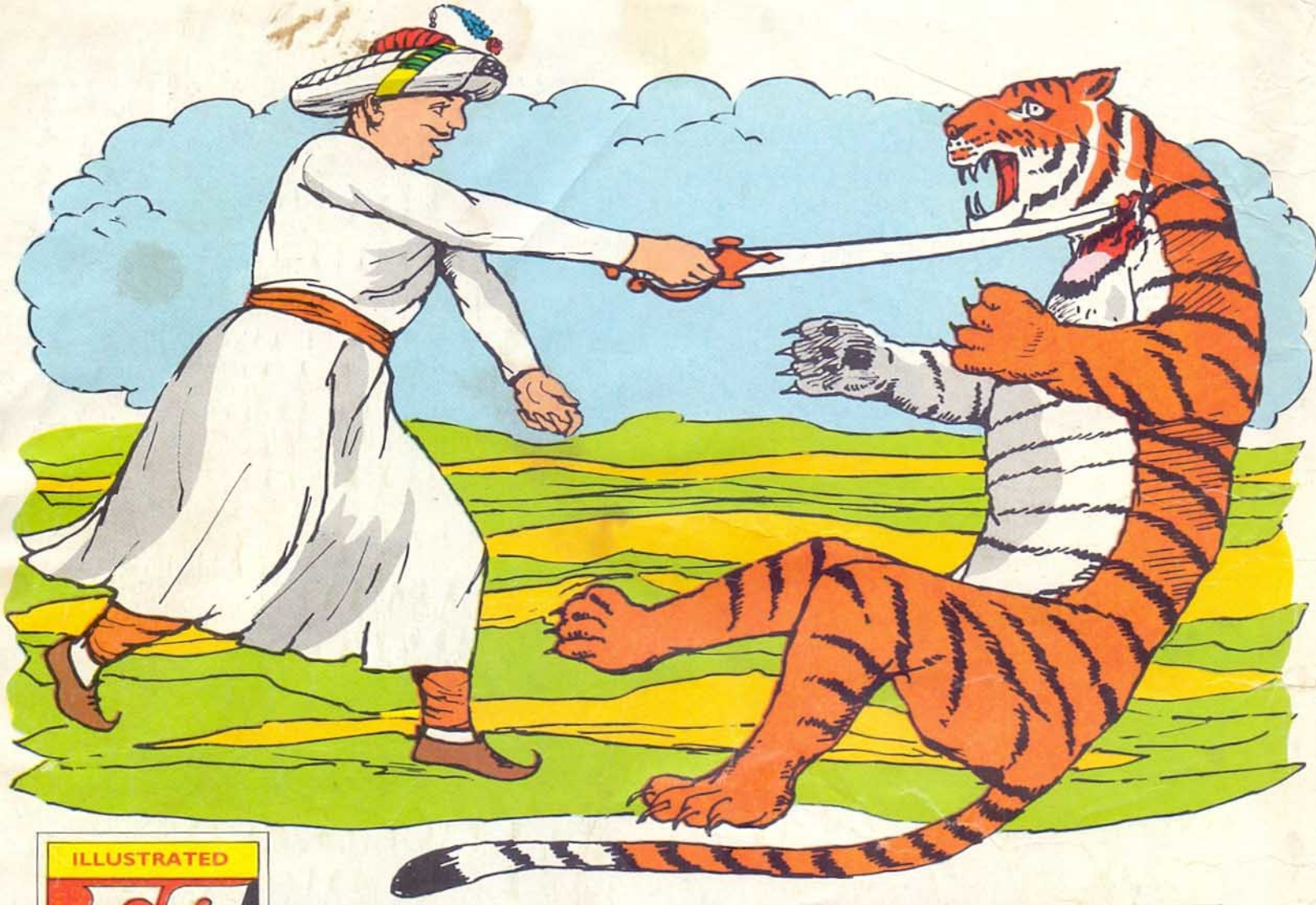

ILLUSTRATED
FS
COMICS

ٹیپو سُلطان

ایک بہادر اور عظیم مُسلمان حکمران

اگر کسی نے یہ دیکھنا ہو کہ مسلمان گھرانوں کی صحیح تعلیم و تربیت انسانی زندگی میں عظمتوں کے چراغ کیسے جلاتی ہے تو سُلطان ٹیپو شہید کے سوانح حیات مشعلِ راہ ثابت ہوتے ہیں۔

اُس مردِ مجاہد نے بیک وقت مکّار انگریزوں، دکن کے بے ضمیر فرماں روا، بے اخلاق ہندو مرہٹوں اور اپنے اندرونی غداروں کا آخری دم تک ڈٹ کر مقابلہ کیا اور آخر لڑتے لڑتے جام شہادت نوش فرمایا۔

جنگ و جدل، عقل و دانش اور اخلاق و کردار کے بھرپُور مظاہروں کی یہ ولولہ انگیز داستان رنگا رنگ تصویروں میں یُوں سمو دی گئی ہے کہ پاکستان میں پہلی بار چھپنے والے اس حیرت انگیز تاریخی کامک کا ہر صفحہ سنسنیوں، سناٹوں اور حیرتوں کا شاہکار معلوم ہوتا ہے۔

خود پڑھیے
اور دوستوں کو تحفے میں دیجیے

فیروز سنز (پرائیویٹ) لمیٹڈ
لاہور کراچی راولپنڈی

The Taleem-o-Tarbiat, Lahore
R. L. NO. 4756 PAKISTAN'S MOST WIDELY READ URDU MAGAZINE FOR CHILDREN OF ALL AGES Price Rs. 8.00

فیروز سنز کی
گفٹ بکس
GIFT BOOKS

خوشی کے موقع پر
اپنے عزیزوں اور دوستوں کو
یہ خوبصورت اور رنگین
کتابیں تحفے میں دیجیے!

FEROZSONS (PVT.) LTD.
LAHORE – KARACHI – RAWALPINDI